Enayatullah Khan.
7-9-'39

ادبیات ایران نو
(محمد طاہر فاروقی)

محمد طاہر فاروقی

مؤلفہ

مولوی محمد طاہر فاروقی

ایم اے (آگرہ) دبیر کامل (لکھنؤ) منشی کامل - عالم فاضل (الٰہ آباد)

ایچ-پی-اے-آنرز ان اردو (پنجاب)

صدر شعبہ فارسی و اردو آگرہ کالج - ممبر بورڈ آف اسٹڈیز عربی فارسی و اردو
و فیکلٹی آف آرٹس آگرہ یونیورسٹی

قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور نے شائع کیا

خواجہ فراست حسین منیجر کے اہتمام سے
آگرہ اخبار پریس آگرہ میں
طبع ہوئی
مارچ سنہ ۱۹۳۶ء

فهرست

صیدِ یقین

نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب

Nasrum-Minal-Lahe-wa-Fat-Hun Qareeb.

مقدمہ

دورِ قاچاریہ

(سنہ ۱۷۹۶ء سے سنہ ۱۹۰۶ء تک)

آقا میرزا محمد خاں قزوینی لکھتے ہیں:-

"بے شبہ فارسی ادب و شاعری دورِ صفویہ میں انتہائی پستی میں جا پڑی تھی اور اس عہد میں کسی ایک شاعر کا بھی نام نہیں لیا جا سکتا جو صفِ اول کے شعراء میں شمار کیا جا سکے۔"

اس کمی کو دورِ قاچاریہ نے پورا کر دیا۔ اور فارسی شاعری کی کھوئی ہوئی عزت و شہرت کو دوبارہ حاصل کرنے کا سہرا انیسویں صدی کے شعراء کے سر رہا ہے
مولانا شبلی شعر العجم جلد سوم میں تحریر فرماتے ہیں:-

"ایران کی شاعری رودکی سے شروع ہوئی اور میرزا صائب پر ختم ہوگئی۔ رودکی سے پہلے جو شعرا گزرے ہیں اور میرزا صائب کے بعد جن لوگوں نے طبع آزمائیاں کیں۔ لیکن یہ دونوں دور شمار کے قابل نہیں۔ اخیر دور میں قاآنی بے شبہ ایسا شخص پیدا ہوا جس نے دفعتہً شاعری کی کایا پلٹ کر دی۔ لیکن اس کی شاعری کوئی نئی شاعری نہیں۔ بلکہ اس نے سات سو برس کے بھولے ہوئے خواب کو یاد دلایا۔ اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ فرخی اور منوچہری نے قاآنی کا قالب اختیار کر لیا۔"

یہی رائے رضا قلی خاں ہدایت نے مجمع الفصحا میں ظاہر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

"فارسی شاعری کا انحطاط دور قاچاریہ سے قبل مکمل ہو چکا تھا۔ اس لئے اس عہد کے شعرا نے اپنے پیش رو شاعروں کے مسلک کو چھوڑ کر رودکی۔ منوچہری۔ فردوسی۔ انوری۔ رومی۔ سعدی وغیرہ کی تقلید اختیار کی۔"

رضا قلی خاں کے عہد میں جامی۔ عرفی۔ صائب۔ شوکت وغیرہ کی شاعری کو بے وقت کی شہنائی کی مانند بے کیف سمجھا جاتا تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اس عصر کے سخنوروں نے متقدمین کی روش کو پسند کیا۔ اور اس طرح فارسی شاعری کی تجدید کا فرض انجام دیا۔

ستر سالہ خانہ جنگیوں کے بعد آقا محمد خاں قاچار [illegible] نے ۱۱۹۶ھ ۱۷۹۶ء میں اس نے شاہ کا لقب اختیار کر کے خاندان قاچاریہ کی بنیاد ڈالی۔ اور تمام ایران کو ایک مرکز پر لا کر جمع کر دیا۔ ۱۷۹۶ء میں آقا [illegible]

اور اس کا بھتیجہ فتح علی شاہ قاچار تخت پر بیٹھا۔ اس حکمراں کی یہ حیثیت کہ اس کی ۱۵۰ بیویاں اور تقریباً دو ہزار بیٹے پوتے تھے تاریخ میں عدیم المثال ہے۔ اس کے بعد ۱۸۳۵ء میں اس کا پوتا محمد شاہ قاچار تخت نشین ہوا۔ اسی کے عہد میں سید علی محمد باب نے بابی مذہب کی تبلیغ و اشاعت شروع کی۔ اس کے انتقال کے بعد ناصر الدین شاہ قاچار نے ۱۸۴۸ء سے ۱۸۹۶ء تک حکومت کی اس کے قتل کے بعد ۱۸۹۶ء سے ۱۹۰۶ء تک اس کا بیٹا مظفر الدین شاہ قاچار برسر حکومت رہا ۱۹۰۶ء میں قوم پرستوں نے اسے تخت سے اتار دیا اور ایران میں جمہوریت قائم ہو گئی۔

خاندان قاچار میں فتح علی شاہ خود شاعر تھا۔ اس کے پر امن دور اور سخن پروری نے شاعری کی تجدید کی اور سرزمین ایران ایک بار پھر شعرا کے نغموں سے گونج اٹھی۔ انیسویں صدی میں سینکڑوں شاعر پیدا ہوئے جن میں سے چند ممتاز اور نامور شعرا حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مجتہد الشعرا مجمر طباطبائی اردستانی (متوفی ۱۸۱۰ء)۔ اس کی بابت رضا قلی خاں ہدایت کی رائے ہے کہ اگر وہ کچھ سال اور زندہ رہتا تو غالباً وہ ممتاز ترین حیثیت حاصل کر لیتا۔ اور مرزا یحیی دولت آبادی اس کو شعرا کی صف اول میں جگہ دیتا ہے۔

۲۔ ملک الشعرا صبا کاشانی (متوفی ۱۸۲۲ء) اس کے متعلق رضا قلی خاں ہدایت کا خیال ہے کہ "گزشتہ سات سو سال میں اس پایہ کا کوئی شاعر ایران میں پیدا نہیں ہوا" اس کے شاہنشاہ نامہ کو بعض ناقدین نے شاہنامہ فردوسی تک پر ترجیح دی ہے۔

۳۔ معتمد الدولہ نشاط اصفہانی (متوفی ۱۸۲۸ء) عربی۔ فارسی۔ ترکی بولیاں

زبانوں کا عالم تھا۔ اور اس عہد کے بہترین غزل گو شعرا میں شامل ہے۔

۴۔ میرزا شفیع وصال شیرازی (متوفی ۱۸۴۶ء) جس کا تمام خاندان شاعری میں نمایاں اعتبار رکھتا تھا۔ اس کے چھ بیٹے یعنی داوری، یزدانی، اور ہمت۔ اور بیٹوں کے علاوہ وقار، حکیم، اور فرہنگ سب اچھے شاعر گزرے ہیں۔

۵۔ ملک الشعرا حسان العجم قاآنی شیرازی (متوفی ۱۸۵۴ء) جو بالاتفاق رائے اس عہد کا بہترین قصیدہ گو شاعر ہے۔ اور تمام پیش رو شعرا کے محاسن و کمالات کا جامع ہے۔

۶۔ مرزا فروغی بسطامی (متوفی ۱۸۵۵ء) جو غالباً اس عہد کا بہترین غزل گو صوفی شاعر ہے

۷۔ مرزا یغمائے جندقی بیک وقت سنجیدہ اور مبتذل گو شاعر تھا۔ لیکن اس کے ہزلیات اور خرافات زیادہ مشہور ہیں۔ اور خود بھی "زن قحبہ" کے عجیب لقب سے معروف ہے۔ اس نے مرثیہ کی ایک نئی صنف کو زیادہ رواج دیا تھا۔ جسے وہ خود "نوحہ سینہ زنی" کے نام سے یاد کرتا ہے۔

۸ و ۹ مرزا رضا قلی خاں ہدایت اور لسان الملک سپہر کاشانی عہد ناصر الدین شاہ کے باکمال شاعر تھے لیکن دونوں بحیثیت مورخ اور تذکرہ نگار کے زیادہ مشہور ہیں۔

انیسویں صدی کے ان شعرا کا کلام دور متوسطین سے نمایاں طور پر ممتاز ہے۔ پیچیدہ خیالات، دور از فہم تشبیہات و استعارات، بیکار لفاظی، بیجا تصنع و تکلف، بعید از عقل مضامین، دور از کار تخیل اور بیجا آورد اس

عہد میں اجتناب و احتراز کیا گیا۔ زبان میں سلاست اور روانی ہے۔ مضامین میں شگفتگی اور واقعیت ہے۔ طرز ادا میں دلکشی اور بلاغت ہے۔ آمد ہے جذبات میں صداقت ہے۔ تشبیہات قرین عقل اور استعارات مطابق قیاس ہیں۔ کردار نگاری اور جزئیات کے بیان میں استقصا و استیفا ہے۔ اور تخیل و محاکات کی بلندی غرض یہ کہ شاعری بہمہ وجوہ قابل تحسین اور لائق ستائش ہے۔ اس عہد کے شعرا نے موجودہ صدی کی شاعری کے لئے زبان اور خیالات کو تیار کرنے میں کافی حد تک مدد کی۔ درحقیقت اس دور کے اختتام پر عہد جدید کی شاعری کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

دور جدید

(سنہ ۱۹۰۶ء سے)

فارسی شاعری نے نویں صدی عیسوی سے انیسویں صدی عیسوی تک ایک ہزار سال کے عرصہ میں قصیدہ، غزل، مثنوی، رباعی کی شکلوں میں حسن و عشق، مدح و ہجا، معارف و مناظر، سنجیدگی و ظرافت، بزم و رزم، تصوف و اخلاق، رندی و زہد اور واردات و کیفیات کے تمام مطالب بہترین اسلوب کے ساتھ دنیا کے ادب میں پیش کر دئے تھے۔ قومی، ملکی اور اصلاحی نظموں کا باب رہ گیا تھا۔ اسے بیسویں صدی کی ابتدا میں دور انقلاب و مشروطیت نے پورا کر دیا اور اب فارسی شاعری بہمہ وجوہ مکمل ہو گئی۔

ایران میں ہمیشہ سے استبدادی اور شخصی حکومت کا دور دورہ رہا تھا۔

لیکن انیسویں صدی کے نصف آخر میں علامہ سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۸۳۸ء تا ۱۸۹۷ء) کی اسلامی انقلابی تحریک کے زیر اثر بیداری کے آثار
پیدا ہوتے جا رہے تھے۔ ایران میں پہلا انقلاب "دورِ مشروطہ اولیٰ" کی شکل میں
۵؍ اگست ۱۹۰۶ء کو ظاہر ہوا۔ اور ۷؍ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو نیشنل اسمبلی قائم ہوئی۔
جو ۲۳؍ جون ۱۹۰۸ء تک برسر کار رہی۔ اس کے بعد ۲۳؍ جون ۱۹۰۸ء سے ۱۶؍ جولائی
۱۹۰۹ء تک پھر محمد علی شاہ معزول کا استبدادانہ عہد جاری رہا۔ "مشروطہ ثانیہ"
کا عمل دخل ایران میں ۱۶؍ جولائی ۱۹۰۹ء کو ہوا۔ محمد علی شاہ تقریباً چار دن کی جنگ
کے بعد مفرور ہو گیا۔ اور مشروطیین کو "فتح ملی" نصیب ہو گئی۔ لیکن ابھی ایرانیوں
کی قسمت میں مستقل آزادی نہ تھی۔ اس لیے ۱۹۱۲ء کی ابتدا کے ساتھ ساتھ
روسیوں کے غلبہ و تسلط کا دور شروع ہوا۔ اور تمام مملکت ایران میں ایک
ہیجان و غدر برپا ہو گیا۔ اس کے بعد ۱۹۱۴ء میں یورپ کی جنگ عظیم شروع ہو گئی
ان چار سال میں ایران مختلف طاقتوں کا آماجگاہ بنا رہا۔ ہر سلطنت اسے
ہڑپ کر لینا چاہتی تھی۔ اس زمانہ کے مصائب نے ایرانیوں کے دماغوں میں
چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کی خون آشامیوں کی یاد تازہ کر دی۔ جنگ عظیم کے خاتمہ
کے ساتھ روس کی شخصی و استبدادی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ اور کچھ عرصہ بعد
انگلستان نے بھی مجبور ہو کر ایران سے ہاتھ اٹھا لیا۔ درحقیقت اب ایران
کو اس قدر سکون نصیب ہوا کہ وہ یکجہتی و اتفاق کے ساتھ اندرون ملک کی
اصلاح کر سکے۔ ایک مدت تک شورش و بے اطمینانی کی زندگی بسر کرنے کے بعد
اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کے عہد نے ملک کو منظم و پائدار امن و راحت

کے ساتھ اندرونی و بیرونی اصلاحات میں مشغول ہو۔

وہ اسباب جو بیسویں صدی کے اوائل میں ایرانی انقلاب کے ذمہ دار ہیں تین
قسموں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ (۱) تصنیفات۔ (۲) اخبارات۔ (۳) منظومات۔

۱۔ مصنفات

اس شق میں وہ تمام کتابیں آجاتی ہیں جو انیسویں صدی کے
آخر زمانہ سے شایع ہو رہی تھیں اور جو کم و بیش اصلاح ملک
اور آزادی خیال کی تحریک کو اکساتی تھیں۔ ان میں سب سے مقدم جگہ ناظم الدولہ
شہزادہ مالکم خاں کی تصنیفات کو حاصل ہے۔ مالکم خاں کے رسائل کی تعداد تیس سے
زائد ہے۔ چند نام۔ اصول مذہب۔ دیوانیان۔ حب الوطن من الایمان۔ مبدا ترقی۔
شیخ و وزیر وغیرہ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اس کے بعد نمبر آتا ہے ان تصنیفات
یا تراجم کا جو دار الفنون طہران کے ایرانی یا مغربی پروفیسروں نے کیے۔ ان
تالیفات نے جو سائنس۔ ریاضی۔ طب۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ ادب وغیرہ تمام علوم پر
حاوی ہیں۔ ایرانی دماغوں کو بیدار کرنے میں بڑی حد تک امداد کی۔ اسی سلسلہ میں
مرزا یوسف خاں مستشار الدولہ۔ اور مرزا عبدالرحیم طالباف کی تصنیفات کا یاد رکھنا
بھی ضروری ہے۔ خصوصاً طالباف کی یہ دو کتابیں کتاب احمد اور سفینۂ طالبی۔
تو اسی قدر باثمر اور وقیع ثابت ہوئیں جتنا سیاحت نامۂ ابراہیم بیگ مصنفہ
حاجی زین الدین آقا مراغی اور سر جان موریر کی کتاب حاجی بابا اصفہانی کے تراجم
جو مرزا حبیب اصفہانی اور شیخ احمد روحی کرمانی نے شایع کیے تھے۔

۲۔ اخبارات

ایران میں تحریک مشروطیت سے قبل کوئی اخبار ایسا
شایع نہ ہوتا تھا جو سیاسی اعتبار سے قابل اعتنا کہا

جا سکے۔ اگست ۱۹۰۶ء میں جمہوریت کے اعلان کے ساتھ ہی متعدد اخبارات جاری ہو گئے جن میں سے بعض ابتدائً ہفتہ وار تھے لیکن کچھ دن بعد روزانہ شایع ہونے لگے تھے۔ ان میں طہران سے شایع ہونے والے اخبارات۔ مجلس۔ ندائے وطن۔ صور اسرافیل حبل المتین۔ صبح صادق اور ایران نو بالخصوص قابل ذکر ہیں اسی سلسلہ میں طلوع (بوشہر) اور آذربایجان (تبریز) کا نام لینا بھی ضروری ہے۔ یہ دونوں اخبار پنچ کے انداز ظرافت وطنز کا پہلو لئے ہوئے اپنے مقاصد کی اشاعت کرتے تھے۔ مزاحیہ وطنزیہ اخبارات کی مقبولیت نے اس صنعت کے بہت سے اخبار شایع کرائے جن میں کشکول (اصفہان)، بہلول (طہران)، تنبیہہ (طہران)، حشرات الارض (تبریز)، شیدا (قسطنطنیہ) اور شیخ چغندر (طہران) خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ اصلاحی امور میں مضحکات وطنزیات کو کامیاب اور موثر پاکر صور اسرافیل نے بھی چرند پرند کے نام سے چند کالم اس صنف کے لئے وقف کر دیے۔ جن کے محرر خصوصی میرزا اکبر خاں (المعروف بہ دخو و دہخدا) تھے۔ چرند پرند اور ملا ناصر الدین اس قسم کے تمام اخبارات سے زیادہ مقبول موثر اور مفید ثابت ہوئے۔

ایران میں اخبارات کو آزادیٔ رائے حاصل ہونے سے قبل بعض وطن پرست ایرانیوں نے ممالک غیر سے اخبارات شایع کرنے شروع کر دیے تھے۔ ان میں سب سے پہلی جگہ قانون کو ملتی ہے جو پرنس مالکم خاں کی زیر ادارت لندن سے شایع ہوتا تھا۔ اس کے بعد اختر (قسطنطنیہ) حبل المتین (کلکتہ)۔ ثریا اور پرورش (قاہرہ) کا نام آتا ہے۔ دور مشروطہ سے قبل دراصل یہی رسائل واخبارات تھے جنہوں نے ملک میں آزاد خیالی۔ احساس وغیرت حمیت وقومیت۔ اور حب وطن کی جذبات

کی تخم پاشی کی۔ یہ رسائل صرف ملکی بیداری پیدا کرنے کے ہی آلے نہ تھے بلکہ انہوں نے زبان و ادب کی بے بہا خدمات بھی انجام دی ہیں۔ ان اخبارات کے ذریعہ سے ہی نئی اصطلاحات اور جدید الفاظ ملک میں شایع ہوئے اور رفتہ رفتہ فارسی جدید مالا مال ہوتی رہی۔

ایسے اخبارات کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے جو مذکورۂ بالا اخباروں کے بعد شایع ہوئے۔ ملک بھر میں آگ لگی ہوئی تھی اس لئے اکثر شہروں میں اخبار جاری ہو گئے۔ طوالت کے خوف سے اس تفصیل سے گریز کرنا بہتر ہے۔ اس لئے اس بات پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ کہ طہران سے شایع ہونے والے اخبارات میں استقلال ایران۔ برق۔ بیداری۔ دانش۔ آفتاب۔ روح القدس۔ زشت و زیبا۔ شرق۔ شرافت اور مساوات۔ تبریز کے اخبارات میں اتحاد۔ اخوت۔ استقلال۔ امید۔ تبریز اور روزنامہ ملی۔ اصفہان سے اشاعت پانے والے اخباروں میں پروانہ۔ بہاد اکبر۔ زاینده رود۔ فرہنگ اور ناقور۔ مشہد کے اخبارات میں تازہ بہار۔ خراسان۔ خورشید۔ بہار۔ نوبہار اور عصر جدید۔ شیراز سے جاری ہونے والے اخباروں میں نسیم شمال۔ گیلان۔ صدائے رشت۔ کنگاش۔ نوع بشر۔ اور مجاہد خاص طور پر قابل اعتنا اور لایق ذکر ہیں۔ جنہوں نے اس دور میں مخصوص ملکی و ملی۔ ادبی و لسانی خدمات انجام دیں۔

۳۔ منظومات

کسی ملک کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کا بہترین ذریعہ قومی اور ملکی نظمیں ہوا کرتی ہیں۔ عرب کی قومی

شاعری اور رجز خوانی اور یونان اور روما کی ملکی و ملی منظومات اس کی بین مثالیں ہیں۔ اسی طرح بیسویں صدی کے آغاز میں ایرانی شعراء نے ملک و قوم کے احساسات و جذبات ملی کے ابھارنے اور جمود و غفلت کے دور کرنے میں جو کارنمایاں انجام دیا وہ تاریخ عالم میں زریں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ موجودہ صدی کے ابتدائی پندرہ سال میں سیاسیات کا جو طوفان ایران میں برپا تھا اس نے حساس دلوں پر تیر و نشتر کا کام کیا۔ اور شعرا جو دل و ملک کی تعمیر و اصلاح کے علم بردار ہوتے ہیں اس انتشار و شورش سے بیحد متاثر ہوئے۔ چنانچہ ملکی و ملی منظومات جو تاثرات قلبی سے لبریز اور جذبۂ بیداری و احساس آزادی کی محرک ہیں بکثرت ملک میں شایع ہو گئیں۔ اگر ان نظموں کا مطالعہ تصنیف کی تاریخوں کے اعتبار سے کیا جانا ممکن ہو تو امید و بیم، آس و یاس، شکوہ و شکایت، سوز و گداز، رنج و راحت، جوش و خروش، مایوسی و کامرانی، اضطراب و خوشدلی کے جذبات و کیفیات کے ان مختلف مدارج کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اس دور میں ملک و ملت پر گزر رہے تھے اور جن کی یہ نظمیں آئینہ دار ہیں۔

یہ نظمیں اخبارات و رسایل میں شایع ہونے کے باعث فوراً ملک میں پھیل جاتی تھیں۔ اور قوم کے جذبات میں آگ لگا دیتی تھیں۔ نسیم شمال۔ گیلان۔ کنگاش۔ صدائے رشت۔ بہار۔ صور اسرافیل و ایران نو وغیرہ بالخصوص ان نظموں کو شایع کرتے تھے۔ یہ زیادہ تر ملکی مسائل اور سوانح سے متعلق ہوتی تھیں۔ لیکن آج بھی اپنے جوش اور ادبیت کے اعتبار سے دلچسپ اور وقیع ہیں۔ فن کے اعتبار سے یہ کسی خاص صنعت نظم میں محدود نہ تھیں۔ مثنوی، قطعہ، مسمط، مستزاد، غزل

سب اصناف ان قومی خیالات سے مالا مال نظر آتے ہیں۔ در اصل یہی منظومات ایران کی نشاۃ جدیدہ اور حیات سیاسی و ادبی کی ذمہ دار ہیں۔ اور اسی لئے سے ایران میں جدید ادبی عہد کی بنیاد پڑتی ہے۔

اس انقلابی اسکول کی شاعری میں جو شعرا پیش پیش نظر آتے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ ملک الشعرا بہار۔ سید اشرف رشتی۔ عارف قزوینی۔ فصیح الملک شوریدہ۔ بدیع الزماں شیرازی۔ جعفر خمنائی۔ میرزا مرتضیٰ فرہنگ۔ ادیب نیشاپوری حسین خاں دانش۔ احمد سہیلی تبریزی۔ حسام الاسلام دانش۔ پور داؤد۔ ملک ساسانی۔

ایران میں استقلال آزادی اور تنظیم ملکی کو معدودے چند سال گزرے ہیں۔ لیکن اس قلیل عرصہ میں ملک نے سیاست و مدنیت۔ معارف و قومیت فنون لطیفہ اور علوم ادبیہ میں جس قدر ترقی کی ہے وہ بے شبہ حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔ شاعری بھی اس ترقی کی دوڑ میں دیگر علوم و فنون کے ہمراہ آگے بڑھتی رہی۔ اور منجملہ دیگر اصناف شعر کے موجودہ صدی نے قومی، ملکی اور اصلاحی منظومات کے ایک کافی وافی فصیح و بلیغ اور موقر و ممتاز ذخیرہ کا ادب فارسی میں اضافہ کر دیا۔

دورِ جدید کی شاعری

عصر حاضر کے شعرا دو قسموں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ وہ شعرا جو متقدمین کے اور ان میں بھی بالخصوص منوچہری۔ فردوسی۔ سعدی اور حافظ کے مقلد ہیں۔ عروض و قافیہ میں قدیم قواعد کے پابند ہیں۔

مضمون کے اعتبار سے ان کی شاعری حسن و عشق سے تجاوز کر کے فلسفہ و اخلاق۔ اور قومیت و سیاست پر بھی شامل ہے۔ اس زمرہ میں ادیب پیشاوری۔ ادیب نیشاپوری۔ سالار شیرازی۔ شوریدہ شیرازی۔ شہاب کرمانشاہی۔ رعدی آذرخشی۔ غمام ہمدانی۔ فروغی اصفہانی۔ بدیع الزماں خراسانی اور نادری مشہدی وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ وہ شعرا جو کبھی قدیم اصول عروض و قافیہ کی پابندی کرتے ہیں اور کبھی مغربی تعلیم سے متاثر ہونے کے باعث جدید بحریں اور قافیوں کے نئے اصول بھی پیدا کرتے ہیں۔ ان کے اشعار کا موضوع زیادہ تر قومیت، سیاست ملکی بیداری اور سوسائٹی کی اصلاح ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں اسی جماعت کی کثرت اور انہی کو مقبولیت حاصل ہے۔ شہزادہ ایرج میرزا۔ ملک الشعرا بہار۔ عارف قزوینی۔ پور داؤد۔ حبیب یغمائی۔ فرخی یزدی۔ کمالی اصفہانی۔ دہخدا۔ اشرف رشتی۔ حسام زادہ پازارگاد۔ فرہنگ طہرانی۔ رضازادہ شفق۔ محمود خاں افشار۔ اور سعادت نوری وغیرہ اسی طبقہ میں ہیں۔

گزشتہ فارسی شاعری کے مباحث و موضوعات کو ذیل کے سات عنوانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ عشقیہ۔ مدح و ہجا۔ تصوف۔ فلسفہ۔ اخلاق۔ رزمیہ اور مراثی۔ موجودہ شاعری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عصر میں عشقیہ اور فلسفیانہ مضامین کافی پائے جاتے ہیں۔ مدحیہ کم ہے مگر جس قدر ہے اس میں اگلوں کا سا لغو اور ناپسندیدہ غلو نہیں ہے۔ صوفیانہ شاعری بہت کم ہے۔ اخلاق میں قومیت، حب وطن، عزت نفس، آزادی، صبر وضبط

عزم و ثبات، ایثار و قربانی - اور غیرت و حمیت وغیرہ کے مباحث پر ازمنہ ماقبل کی نسبت بہت زیادہ کہا گیا ہے - رزمیہ شاعری بالکل مفقود ہے - مرثیہ موجود ہے - اور ہجائیہ اور طنزیہ نظمیں بکثرت ہیں۔

موجودہ دور کی فارسی شاعری سلیس و سادہ، شگفتہ و شیریں، رنگین و مترنم، ولولہ انگیز اور جذبات آفریں ہے - ردیف و قافیہ کی شگفتگی، بحر و وزن کی موزونیت مضامین کی شیرینی و لطافت اور نزاکت و معنویت ہر جگہ سادگی و سلاست کے پہلو بہ پہلو نظر آتی ہیں - اس عہد کی نظموں بلکہ غزلوں تک میں حقیقی ملکی و ملی جذبات - ولولہ انگیز طرز ادا واردات و کیفیات اور جدید الفاظ و محاورات خاص طور پر قابل غور ہیں - عام طور پر طرز ادا آسان تخیل سادہ - محاکات واقعی اور جذبات فطری ہیں - نہ باریک بینی ہے نہ خیال آفرینی - نہ موشگافی ہے نہ بلند پروازی - دل کی نمائش ہے دماغ کی نہیں - فطرت صنعت پر - آمد آورد پر اور بے تکلفی تکلف پر غالب نظر آتی ہے -

زیر نظر انتخاب میں دور حال کے بیس شعرا کی منتخب نظمیں یا غزلیں پیش کی جاتی ہیں یہ سب سخنور اس عہد کی ادبیات کے صحیح نمائندہ اور ملک کے ممتاز و نامور سخن سنجوں میں شمار کیے جاتے ہیں - اور منتخبہ کلام ان حضرات کے بہترین اشعار پر مشتمل ہے - انتخاب کے وقت اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ وہ مذکورہ بالا تمام خصوصیات شعری پر حاوی و مشتمل ہو تاکہ دور جدید کی شاعری پر مفصل نظر ڈالی جا سکے - ہجائیہ کلام کو دانستہ خارج کر دیا گیا ہے اس لیے کہ وہ مقامی اور تلمیح طلب ہونے کی وجہ سے عام طور پر زیادہ دلکشی کا موجب نہیں ہوتا -

انتخاب میں جن شعرا کا کلام جمع کیا گیا ہے ان کے مختصر حالات ناظرین کی مزید

دلچسپی کے لئے درج کئے جاتے ہیں

۱- بہار خراسانی

میرزا محمد تقی نام اور بہار تخلص ہے۔ میرزا محمد کاظم ملک الشعرا صبوری کے بیٹے ہیں۔

سنہ ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۶ء) میں مشہد میں پیدا ہوئے۔ مشہد ہی میں اپنے والد اور دیگر فضلائے عصر سے عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ سنہ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) میں والد کے انتقال کے بعد ادیب نیشاپوری اور میرزا عبدالرحمان بدیع کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ پھر آصف الدولہ غلام رضا خاں گورنر خراسان کے دربار میں باریابی حاصل کی۔ آصف الدولہ کی سفارش پر مظفر الدین شاہ قاچار نے "ملک الشعرا" کا خطاب مرحمت کیا اور سالانہ وظیفہ مقرر کر کے مزید سرفرازی فرمائی۔

سنہ ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) میں تحریک مشروطیت کے آغاز سے ہی اس تحریک میں شریک ہو گئے اور سنہ ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) تک عملی اور قلمی شرکت کرتے رہے۔ حبل المتین (کلکتہ) میں اور خراسان کے اخبارات میں ان کے مضامین اور نظمیں کبھی اپنے نام سے اور کبھی فرضی ناموں سے شائع ہوا کرتی تھیں۔ نظموں کی اشاعت نے بہار کو ایک بہترین [illegible] معروف بنا دیا۔ سنہ ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ء) میں آپ نے مشہد سے "نو بہار" نامی روزنامہ جاری کیا۔ ان قومی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے آپ کو بہت جانی و مالی مشکلات بھی برداشت کرنی پڑیں۔ دو بار وطن بدر کئے گئے۔ دو دفعہ اخبار بند کر دیا گیا۔ لیکن آپ استقلال کے ساتھ تمام مصائب جھیلتے رہے اور اپنی سرگرمیوں میں کوئی کمی نہ آنے دی۔

سنہ ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں جب قوم پرستوں نے طہران سے بغداد، قسطنطنیہ یا اناطولیا کی جانب ہجرت کی تو بہار بھی مہاجرین میں شامل تھے۔ واپسی کے بعد آپ نے

۲۳- فروغی اصفہانی

میرزا ابو المحسن خاں نام اور فروغی تخلص ہے۔ آپ کے والد میرزا محمد حسین خاں ذکاء الملک فروغی گذشتہ صدی کے نامور ادیب گزرے ہیں۔ اور آپ کے بڑے بھائی میرزا محمد علی خاں ذکاء الملک فروغی اس زمانہ کی اہم ملکی و سیاسی شخصیتوں میں شامل اور وزیر خارجہ کے ممتاز عہدے پر سرفراز ہیں۔

فروغی سنہ ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۴ء) میں طہران میں پیدا ہوئے۔ مدرسوں میں اور مختلف استادوں سے تعلیم حاصل کی۔ اور فارسی، عربی، فرانسیسی تینوں زبانوں کو بحد کمال حاصل کیا۔ اس کے سوا تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ وغیرہ میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ آپ کا شمار اس قرن کے بہترین فضلا و حکما میں کیا جاتا ہے۔ طہران کے مدارس میں ایک عرصہ تک آپ مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ "دار المعلمین" طہران کے قیام پر اس کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اسی زمانہ میں آپ نے "تعلیم و تربیت" اور [illegible] رسالے جاری کیے۔ سنہ ۱۳۱۵ھ (۱۹۳۶ء) میں بغرض علاج یورپ تشریف لے گئے۔ سنہ ۱۳۱۶ھ (۱۹۳۸ء) میں محکمہ معارف ایران کے نمائندہ کی حیثیت سے جشن طاس [illegible] میں شرکت کے لیے روس گئے۔ "مجلس مستشرقین" کے اجلاس منعقدہ سنہ ۱۳۱۶ھ (۱۹۳۹ء) میں بھی دولت ایران کی طرف سے نمائندہ بن کر بھیجے گئے۔ اور یورپ کے ممتاز فضلا سے ملاقاتیں کیں۔

آپ کی تصنیفات میں سے "رشید نقش فارسی"، "سرمایہ سعادت" اور "اوراق مشوش" طبع ہو چکی ہیں۔ اور آپ کے مختلف مضامین اور نظمیں درسی کتابوں میں شامل ہیں۔ اب آپ عملی زندگی سے کنارہ کش ہو کر عزلت گزیں ہیں [illegible]

ہیں جسے حد خلق و تواضع ہے۔ اور دنیوی ساز و سامان سے قطعاً بے نیاز و بے پروا ہو کر امن و سکون کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

۴۔ کمالی اصفہانی

حیدر علی نام اور کمالی تخلص ہے۔ شوال ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۴ء) میں اصفہان کے ایک قصبہ ابوقمر میں پیدا ہوئے۔ باپ نے لڑکپن ہی سے آہنگری کے پیشہ میں ڈال دیا۔ پندرہ سال کی عمر میں طہران آئے۔ چند سال بعد اصفہان واپس ہوئے مگر پھر اہل و عیال سمیت طہران آکر وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔

جوانی میں تعلیم کا شوق ہوا۔ خود ہی سواد خوانی حاصل کی۔ اور پھر مطالعہ کے ذریعہ علمی و ادبی کتابوں سے خود ہی اپنے شوق تعلم کی تشنگی دور کرتے رہے۔ مبدء فیاض سے طبیعت موزوں اور ذوق سلیم پایا تھا۔ شاعری بھی شروع کر دی۔ اور سخنوری میں یہ مرتبہ حاصل کیا کہ ایرج میرزا اور دہخدا جیسے مسلم استاد ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اور ادیب الممالک فراہانی سابق مدیر ادیب ان کی بابت لکھتا ہے:

ابوالکمال کمالی خدیو آگہان سخن ۔۔۔ بہ پیکر قلمت جامہ کرده بیان سخن

اگر نہ کلک تو طرح سخن در افگندے ۔۔۔ بر اوفتادے ز بن کاخ شکست بنیان سخن

وہ روشن طبیعت احرار کی جماعت میں شامل تھے۔ ایک روزنامہ بھی "پیکار" کے نام سے جاری کیا تھا۔ تصنیفات میں ان کے اپنے دیوان کے سوا "نظام ترکان خاتون" اور "منتخبات اشعار صائب" شائع ہو چکے ہیں۔

۵۔ بدیع الزمان خراسانی

بدیع الزمان خراسانی ابن آقا شیخ علی ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں بشرویہ میں پیدا ہوئے [illegible]

اور طہران، مشہد میں ادیب نیشاپوری۔ شیخ حسین نجم آبادی۔ آقا سید کاظم وغیرہ فضلائے عصر سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی۔ معانی و بیان، حکمت و فلسفہ میں دستگاہ و کامل رکھتے ہیں۔ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں طہران آئے اور سررشتۂ تعلیم میں ملازم ہوئے۔ اور اب طہران یونیورسٹی میں ادب کے پروفیسر ہیں۔

آپ کو فطرت نے غیر معمولی ذکاوت اور حافظہ عطا کیا ہے۔ اور آپ فصیح و بلیغ مقرر اور بلند پایہ مصنف بھی ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں "سخن و سخنوران" چار جلدوں میں ہے۔ جس کی پہلی جلد شایع ہو چکی ہے۔ "منتخبات اشعار فردوسی" بھی چھپ گئی ہے۔ "تاریخ ادبیات ایران تا عہد غزنوی" اور علم بیان و منطق و فلسفہ پر چند کتابیں ابھی شایع نہیں ہوئیں۔

۹۔ دہخدا

میرزا علی اکبر خاں نام ہے۔ دہخدا اور دخو کے نام سے ان کی نظمیں رسایل میں شایع ہوا کرتی تھیں۔ ان کے والد قزوین کے متوسط الحال اشخاص میں تھے جو ترک سکونت کرکے طہران آ گئے تھے۔ ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) میں یہ طہران ہی میں پیدا ہوئے۔ دس سال کے تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ اور جائداد وغیرہ تلف ہو گئی۔ مگر ان کی والدہ نے تمام مصائب کا استقلال سے مقابلہ کیا اور بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت کی۔

ماں نے شیخ غلام حسین کے پاس جو اس زمانہ کے فضلا میں شمار ہوتے تھے دہخدا کو تعلیم کے لیے بھیج دیا۔ انھوں نے لڑکے میں جوہر قابل پاکر بہت توجہ سے تعلیم دی اور تمام علوم رسمی محنت سے سکھائے۔ اسی زمانہ میں دہخدا کو شیخ ہادی نجم الدین کی خدمت میں حاضر ہونے کا بھی موقعہ ملا تھا۔ جب یہ

طہران میں "مدرسہ سیاسی" کی بنیاد پڑی تو دہخدا وہاں داخل ہوگئے۔ تعلیم کے دوران ہی میں معاون الدولہ ایرانی سفیر بنکر یورپ روانہ ہوئے تو ان کو ساتھ لے گئے۔ اور دو سال دہخدا یورپ رہے۔

اسی زمانہ میں ایران میں آزادی وطن کی تحریک شروع ہوئی۔ اور دہخدا بھی پورے جوش سے اس تحریک میں شریک ہوگئے۔ "صور اسرافیل" کی ادارت انہی ایام میں ان کی سپرد ہوئی۔ جب محمد علی شاہ معزول نے "مجلس ملی" کو توڑا اور قوم پرستوں پہ بلائیں نازل کیں تو چند اور احرار کے ساتھ دہخدا بھی ملک بدر کیے گئے۔ یہ اول پیرس گئے۔ پھر قسطنطنیہ آئے۔ اور یہاں سے "سروش" نامی اخبار جاری کیا۔ ایران میں دوبارہ جمہوریت کے قیام پر قوم پرستوں نے دہخدا کو قسطنطنیہ سے واپس بلالیا۔ اور وہ "مجلس ملی" کے رکن کی حیثیت سے قومی خدمات انجام دیتے رہے۔ جنگ یورپ شروع ہوئی تو یہ کئی سال کے لئے گوشہ نشین ہوگئے۔

بعد ازیں دہخدا نے "مدرسہ سیاسی" طہران کے پرنسپل کے عہدہ کو قبول کرلیا۔ اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔ "کتاب حکم و امثال فارسی" چار جلد میں ہے۔ جس میں سے ایک جلد شایع ہو چکی ہے۔ دو ترجمے "عظمت و انحطاط رومیان" اور "روح القوانین" اور دو لغات۔ ایک فرانسیسی سے فارسی میں اور دوسرا خود فارسی کا مکمل لغت ابھی شایع نہیں ہوئے ہیں۔

۷۔ پروین اعتصامی

پروین خانم اعتصام الملک میرزا یوسف خان اعتصامی کی بیٹی ہیں۔ ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۰ء) میں طہران میں پیدا ہوئیں۔ باپ نے تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا تھا۔ گرلس اسکول

سمجھنے کے سوا خود بھی درس دیتے تھے۔ چنانچہ پروین خانم بہت تھوڑے عرصہ میں عربی، فارسی اور انگریزی ادبیات سے بخوبی واقف ہو گئیں۔ تحصیل علم کے ساتھ ان کو شاعری کا بھی شوق ہوا۔ فیاض حقیقی نے ذہن نقاد اور طبع وقاد عطا کی تھی۔ سخنوروں میں شمار ہوئیں اور بلند پایہ رسائل نے ان کی نظموں کو شائع کرنا باعث فخر سمجھا۔ غزل کم کہتی ہیں۔ اور زیادہ تر نظمیں قومی اور اصلاحی رنگ کی ہوتی ہیں۔

۸۔ پور داؤد میرزا ابراہیم خاں نام ہے۔ ان کا خاندان رشت کے مشہور اور ممتاز تاجروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ۱۰ جمادی الاول سنہ ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۶ء) کو رشت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ پھر طہران گئے۔ اور وہاں طب یونانی حاصل کی۔ سنہ ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) میں بغداد اور بیروت گئے۔ بیروت میں تحصیل علم کے بعد سنہ ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) میں پیرس پہنچ گئے۔ اور یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل ہو گئے۔ یورپ میں جنگ عظیم کے چھڑ جانے پر فرانس سے نکل کر برلن اور بغداد ہوتے ہوئے کرمانشاہ آئے اور "رستخیز" اخبار جاری کیا۔ سنہ ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں پھر برلن چلے گئے۔ اور ایک مدت بعد سنہ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں رشت کو مراجعت کی۔

پور داؤد سخت متعصب وطن پرست ہیں۔ آپ کو عربوں سے خاص عداوت ہے۔ چنانچہ عربی علوم اور عربی الفاظ کا نام و نشان بھی آپ ایران میں دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اور قدیم ایرانی زبان اور روایات کو زندہ کرنے کے حامی ہیں۔ پیرس میں قیام کے زمانہ میں آپ نے وہاں ایرانیوں کی ایک انجمن قائم کی تھی۔ اور برلن کے طویل قیام میں بھی برابر ملکی مفاد کے لئے پروپاگنڈا کرتے رہتے تھے۔ وطن کی خوشحالی

وبدنظمی کے زمانہ سے متعلق بھی ان کی بہت سی قومی نظمیں یادگار ہیں۔
رشت میں کچھ مدت رہنے کے بعد آپ بمبئی اور پھر برلن گئے۔ اور اس زمانہ
میں برابر اوستا کے مختلف حصوں خوردہ اوستا۔ یشت۔ یسنا اور گاتھا
وغیرہ کے ترجمہ و تفسیر میں مصروف رہے۔ اب کچھ عرصہ سے آپ ڈاکٹر ٹیگور کی
یونیورسٹی "شانتی نکیتن" میں پروفیسر ہیں۔ آپ کا دیوان "پوراندخت نامہ"
بمبئی میں طبع ہو کر شایع ہو چکا ہے

۹۔ محمود خاں افشار

۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) میں یزد میں پیدا ہوئے۔ تیرہ سال کی عمر میں بمبئی آئے تین سال یہاں تعلیم
حاصل کر کے طہران کے "مدرسہ سیاسی" میں داخل ہوئے۔ انیس سال کی عمر
میں یورپ گئے۔ یورپ کے ہشت سالہ قیام میں جرمنی۔ سوئٹزرلینڈ۔ فرانس
انگلستان وغیرہ تمام ممالک کی سیاحت بھی کی۔ اور لوزان یونیورسٹی سے
سیاسیات میں ڈاکٹری کی سند حاصل کر کے ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) میں طہران واپس
آگئے۔ اول "مدرسہ سیاسی" میں سیاسیات و اقتصادیات کی تعلیم پر مامور
ہوئے۔ بعد ازاں کمرشیل کالج کے پرنسپل مقرر ہو گئے۔ اور کچھ مدت ججی کے
عہدے پر بھی فائز رہے۔

یورپ کے قیام کے زمانہ ہی سے ڈاکٹر افشار کو ادبیات کا شوق تھا۔ اور سیاسیات
تو آپ کا خاص مضمون تھا۔ آپ مضامین بھی لکھتے تھے جو لندن اور برلن کے
رسائل کے علاوہ حبل المتین (کلکتہ) اور طہران کے بلند پایہ رسائل۔ ایران شفق
وغیرہ میں شایع ہوتے رہتے تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے ایک کتاب

"دول یورپ کی ایران میں سیاسی جدوجہد" پر فرانسیسی زبان میں لکھی جو برلن میں طبع ہو کر شایع اور مقبول ہوئی۔ طہران سے ۱۳۴۵ھ میں ایک ادبی اور سیاسی سالہ "آیندہ" نکالا۔ جو کئی سال تک جاری رہا۔ آپ کو شعر و سخن سے خاص ذوق ہے۔ اور آپ کا شمار موجودہ دور کے مستند اہل قلم اور بلند پایہ شعرا میں کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ رضازادہ شفق

آقاے رضازادہ شفق تبریز میں پیدا ہوئے۔ اول یہیں بہترین عربی فارسی انگریزی تعلیم حاصل کی اس کے بعد یورپ گئے۔ جرمنی و فرانس وغیرہ کی سیاحت کی۔ اور اعلی تعلیم حاصل کر کے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری پائی۔ شعراے عصر حاضر میں آپ خصوصیت کے ساتھ فکر نقاد۔ ذہن رسا اور قلب حساس کے مالک ہیں۔ ان کے دو مرثیہ ہم نے انتخاب کئے ہیں جو انھوں نے اپنے والد اور بھائی کی وفات پر لکھے ہیں۔ ان مراثی سے ان کا جوہر سخن خوب چمکتا ہے۔

مرثیہ اصناف سخن میں نہایت قدیم چیز ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ تاثرات قلبی کے آئینے سب سے بہتر غزل و مرثیہ ہی ہیں۔ یہ دونوں جذبے دل کی ایک ہی گہرائی میں پیدا ہوتے ہیں اور سطح بیان پہ آکر دلوں پر یکساں اثر کرتے ہیں۔ مرثیہ کے اسلوب بیان میں سے اس خاص پہلو پر غور و نظر ضروری ہے کہ مرثیہ اگرچہ شخصی کیفیت اور ذاتی تاثر کا پرتو ہوتا ہے تاہم ادبی حیثیت سے وہ ایک ذات خاص سے نہیں بلکہ قوم و ملک اور زبان و ادب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے مرثیہ میں درد و الم اور غم و ماتم کے بیان سے اخلاق و عبرت کا مضمون پیدا کرنا مرثیہ کی محاسن شاعرانہ میں شامل ہے۔ یہ صفت رضازادہ کے ان مراثی میں نہایت حسن و خوبی

اور لطف واثر کے ساتھ موجود ہے۔ آپ آج کل طہران یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ اور ملک کے نامور ادبا و فضلا میں شمار کئے جاتے ہیں۔

۱۱۔ اشرف رشتی سید اشرف الدین الحسینی نام اور "نسیم شمال" کے لقب سے معروف ہیں۔ ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء میں رشت میں پیدا ہوئے۔ وطن میں عربی و فارسی کی تحصیل کرنے کے بعد تکمیل کے لیے ۱۳۰۴ھ میں مشہد مقدس گئے۔ پانچ سال میں علوم متداولہ کی فراغت کے بعد رشت واپس آ گئے۔ اور خوشنویسی کے ذریعہ بسر اوقات کرنے لگے۔ اسی زمانہ سے "نسیم شمال" نامی پرچہ جاری کیا۔ جمہوریت کے قیام کے بعد طہران آئے اور "نسیم شمال" یہیں سے شایع کرنے لگے۔ رشت میں ان کے پرچہ کو اس قدر مقبولیت حاصل نہ تھی لیکن طہران میں لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لینے لگے۔ ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں جنون کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ اس زمانہ سے اعزہ اور رفقا سب نے کنارہ کشی کر لی۔ اب نہایت تنگدستی میں مبتلا ہیں اور زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔

ان کے اشعار کی تعداد بیس ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے۔ کلام کے دو مجموعے "باغ بہشت" اور "نسیم شمال" شایع ہو کر قبول عام اور بقائے دوام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ ایک ناول "عزیز و غزال" بھی آپ کی تصنیف سے ہے اور طہران میں طبع ہو چکا ہے۔

۱۲۔ حبیب یغمائی میرزا حبیب نام اور قاچاری دور کے مشہور ہزل گو شاعر یغمائے جندقی کے پوتے ہیں۔ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں جندق کے ایک گاؤں خور میں پیدا ہوئے۔ جندق و طہران

میں تعلیم کو تکمیل کی حد تک حاصل کیا۔ کچھ مدت سمنان میں سررشتۂ تعلیم میں ملازم رہے۔ اس کے چند سال بعد سے طہران یونیورسٹی میں فارسی ادب کے پروفیسر ہیں۔

آپ کی تصنیف "شرح حال یغما جندقی و بیابانک" کے دیباچہ میں میرزا عباس خاں اقبال آشتیانی لکھتے ہیں:-

"اس کتاب کا مصنف ...... صاحب ذوق اور لطیف طبع شعرا میں سے ہے۔ آپ کا کلام قدما کے مانند پختہ مگر جدید روش پر ہے۔ اس دور میں جب کہ ہر شخص شاعر اور مصنف بن بیٹھا ہے، ایسے باکمال شخص کی فضائل لائق ستایش ہیں۔" (ترجمہ)

آپ کے اشعار کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے۔ جو اکثر رسایل میں طبع ہوتے رہتے ہیں اور کتب درسی میں شامل ہیں۔ آپ کی دیگر تصنیفات "حالات افغان" "شرح حال منوچہری" "مقامات حمیدی" اور "تاریخ ادبیات ایران قبل از اسلام تا عہد حاضر" ہیں جو ابھی طبع نہیں ہوئی ہیں۔

۱۴- سالار شیرازی

ان کے اجداد میں امام قلی خاں والی فارس تھے اور شاہ عباس اعظم کے عہد میں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ "مدرسہ خان" شیراز میں اور "پل مرودشت" ان سے یادگار ہیں۔ ان کے والد کا نام میرزا علی خاں تھا۔ شاہ ناصر الدین قاچار کے جشن ولادت کے دن صفر ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۴ء) میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ اور اسی مناسبت کر ان کا نام ناصر الدین رکھا گیا۔

سالار نے عربی و فارسی کی تحصیل شیراز میں کی۔ پھر انگریزی حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کا سفر کیا۔ لڑکپن ہی میں تیراندازی اور شہسواری کے فن کمال شوق سے حاصل کر لیے تھے۔ فراغت علم کے بعد قوام الملک میرزا حبیب اللہ خاں کے سکریٹری ہو گئے۔ جب قوام الملک کی نظام السلطنت سے جنگ ہوئی ہے۔ تو یہ لشکر کے سردار تھے۔ قوام الملک کو فتح نصیب ہوئی تو ان کو کارہائے نمایاں کے سلسلہ میں "سالار جنگ" کا خطاب عطا ہوا۔ اس کے بعد بھی مدت تک ملکی و سیاسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اب اپنی ذاتی ریاست میں ادبی مشاغل میں مصروف ہیں۔ اور شیراز کی لٹریری سوسائٹی کے صدر ہیں۔ آپ کے اشعار اکثر رسائل میں طبع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کا شمار موجودہ دور کے قادر الکلام اور خوش فکر شعرا میں کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ سعادت نوری

آقائے میرزا حسین خاں سعادت نوری ایران کے مایۂ ناز فرزندوں میں سے ہیں۔ کم عمری و نوجوانی میں اپنی طبع سلیم کی رہنمائی سے اس قدر صحیح ذوق شعر و ادب پیدا کر لیا جو مستثنیات میں شمار کرنے کے قابل ہے۔ شاعر و ادیب کے ساتھ آپ صاحب تصنیف بھی ہیں۔ آپ کے ذوق سلیم اور نقد ادب کا ایک نہایت دلچسپ نمونہ ان کی تالیف "گلہائے ادب" ہے۔ جس میں شعرائے معاصرین میں سے ۴۷ مشاہیر سخن کے بہترین آثار شعری کا انتخاب کیا ہے۔ اس مجموعہ کے سرآغاز (دیباچہ) میں وجہ تالیف یوں بیان کرتے ہیں ہے

صرف نظر از کتب متقدمین آثار شعرائے معاصر نیز ابعد میسور بصورت طبع نمی بلند و چه

بسیار از جواہرات گراں بہا و اشعار آبدار یکہ از گنجینۂ افکار دانشمنداں تراوش نمودہ
بگوشہ و کنار از بین رفتہ است۔ امروز اگر خواستہ باشید مجموعۂ از آثار شعرائے
معاصر پیدا کنید قطعاً موفق نخواہید شد۔ لہذا این بندۂ ناچیز با کثرت مشغلہ کہ دارم
بجمع آوری مختصرے از آثار منظومۂ شعرائے معاصر اقدام نمودہ ۔۔۔۔۔
در آنہا بہ پیشگاہ بلند دوست فاضل عزیز خود حضرت آقائے امین، مدیر دانشمند روزنامہ
"انجمن" اہدا میکنم"

گلہائے ادب میں سے داستانوری نے کچھ اپنا کلام بھی درج کیا ہے جس میں سے
کچھ ہم نے اس مجموعے میں انتخاب کیا ہے۔ آپ غزلیات بھی لکھتے ہیں اور قومی نظمیں
بھی۔ ان کا خصوصی رنگ جوش و ولولہ ہے اور جدت ادا اور سلاست بیان ان کی ہر نظم
میں نمایاں ہے۔ آپ فارسی و عربی کے سوا مغربی علوم و ادبیات کے بھی ماہر ہیں۔
چنانچہ آپ نے "ورڈس ورتھ" کی بعض نظموں کی فارسی نثر میں ترجمہ و تشریح۔ اور
اس کے کلام و سوانح پر تنقید بھی قلم بند کی ہے۔

(۱۹) شباب کرمانشاہی

آقائے محمد جواد شباب ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء میں کرمانشاہ میں پیدا ہوئے۔
علوم و فنون متداولہ کی تحصیل کے ساتھ ہی شہسواری و تیراندازی میں بھی کمال پیدا
کیا۔ کچھ مدت کرمانشاہ سے "فرہنگستان" نامی اخبار شائع کرتے رہے۔ بڑے
زندہ دل، صاحب ذوق، خوش مشرب، باکمال ادیب اور پرگو اور زود گو شاعر ہیں۔
قصیدہ اور غزل ان کا خاص میدان ہے۔ آپ کے مجموعہ ہائے کلام "ترانۂ شباب"،
"لسان العاشقین"، "دبستان معرفت"، "کیمیائے سعادت"، "مجموعۂ قصاید"

"چشمہ نوش"، "تیر شہاب"، "پریشان"، "شکرستان" اور "غزلیات" ان کی ہیں۔ ان میں صرف آخری دو طبع ہوئے ہیں۔

۱۶۔ شوریدہ شیرازی

حاجی محمد فصیح الملک شوریدہ شیراز میں پیدا ہوئے۔ فارسی [illegible] ناصری میں انہوں نے خود اپنی ولادت کا سال ۱۲۷۴ھ لکھا ہے۔ اور حسب ذیل اشعار تاریخی درج کئے ہیں:

از ہزار و سی صد افزون بود سال است ہفت ‏— کز ہمی سال ولادت [illegible]
گفت کز امید ماست [illegible] — رفتہ بود از سال ہجرت ہفت سال و ہفتاد
اینک اعداد جمل را [illegible] — سال تاریخ مرا [illegible] کنی واندر [illegible] ۱۲۷۴

آپ کا نسب نامہ اہلی شیرازی مصنف "سحر حلال" تک پہنچتا ہے۔ سات سال کے تھے جب چیچک میں مبتلا ہوئے اور بینائی سے محروم ہو گئے۔ نو برس کی عمر میں باپ رحلت کر گئے۔ تو ماموں کے زیر سایہ تربیت پانے لگے۔ لیکن باوجود ان نامساعد حالات کے طبع سلیم، ذکاوت فطری اور عالی حوصلگی کی بنا پر وہ نیک نامی حاصل کی کہ غیر فانی شہرت کے مالک بن گئے۔

زمانہ طفولیت ہی میں اپنے ماموں کے ساتھ حج کا شرف حاصل کر لیا تھا۔ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں نظام السلطنت حسین قلی خاں کی مصاحبت میں داخل ہوئے۔ اور ان کی وساطت سے شہزادہ امین السلطان کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ ناصر الدین شاہ اور مظفر الدین شاہ کی مدح میں بھی آپ نے قصائد کہے ہیں۔ ایک بار ناصر الدین شاہ قاچار کے دربار میں فی البدیہہ رباعی سنائی تھی جس کے صلہ میں "فصیح الملک" کا خطاب مرحمت ہوا۔

رفتم بدرگه شه و خواندم ثنای شه — احسنت شه شنیدم و چشمم ورا ندید
چون مصطفیٰ که شد شب معراج سوی عرش — روی خدا ندید و ندای خدا شنید

۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶ء) میں طہران سے شیراز آئے اور ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں وہیں شادی کی۔ آپ کی اولاد میں آقا حسین شیفتہ اور آقا حسن احسان بھی اس عہد کے خوش فکر حضرات میں ہیں۔ ۹ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۶ء) کو شیراز ہی میں انتقال ہوا۔ اور حضرت شیخ سعدیؒ کے قریب دفن ہوئے۔ آپ کے کلام میں قصائد، غزل، قطعہ، رباعی، تاریخ سب کچھ ہے۔ اور فارسی شاعری میں کلاسیکی نظم کا درجہ رکھتا ہے۔

اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کی تخت نشینی کی تاریخ لطف طبع کے لیے درج ہے۔

ای امیر لشکر ای محمود راد — ای که [illegible] از شاه نوزی
تتمه تاریخ بس صعب است لیک — گفت شوریده فصیح سخنوری
از رضا خان نام احمد پادشا — در عدد کم شد فزون شد پهلوی

۱۳۴۴ھ = ۵۳ + ۱۲۹۱ = ۶۱ - ۱۳۵۲

فصیح الملک نے اپنی وفات سے بہت پہلے خود اپنی انتقال کی تاریخ نکالی تھی۔ اور اٹھارہ شعر کا قطعہ کہا تھا۔ صرف تاریخ کا شعر نقل کرتا ہوں۔

سال فوتم بربیع دوم این مصرع گفت — شد شوریده بجان جانب جنان نعیم

۱۷۔ عارف قزوینی

میرزا ابوالقاسم عارف ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ء) میں قزوین میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ہی موسیقی اور خوشنویسی میں مہارت پیدا کی۔ اور مجالس میں "روضہ خوانی" کرتے رہے۔ ۱۷ سال کی عمر میں "خانم بالا" ایک حسینہ سے عشق ہو گیا۔ اور

اپنے اور اس کے اعزہ کے منشا کے خلاف شادی کرلی۔ چند سال بعد دباؤ پڑنے کی وجہ سے طلاق دینی پڑی۔ مگر پھر دونوں نے ہرگز دوبارہ شادی نہ کی۔
۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں رشت گئے اور ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۸ء) میں طہران آکر موثق الدولہ امیر کی مصاحبت میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد وزیر اعظم اور شاہ مظفر الدین قاچار کے درباروں میں رسائی حاصل ہو گئی۔ لیکن مزاج میں آزادی تھی۔ درباری اور ندیمی پسند طبع نہ ہوئی۔ تحریک جمہوریت کے شروع ہوتے ہی سب کچھ چھوڑ احرار کی جماعت میں پیش پیش ہو گئے۔ اور جب احرار کو ایران سے ہجرت کرنی پڑی تو یہ بھی قسطنطنیہ چلے گئے۔

عارف قولاً اور فعلاً ہر طرح آزادی کے علمبردار ہیں۔ انقلاب کے زمانہ میں آپ گاؤں گاؤں کا دورہ کرکے اپنی غزلیں گاتے اور ملک بھر میں آگ لگاتے پھرتے۔ ظالم اور سرکش امرا و حکام کے خلاف آپ برابر علم جہاد بلند رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار میرزا احمد خاں قوام السلطنت وزیر نے آپ کے باغیانہ اشعار بالخصوص اس شعر کی وجہ سے جس میں خود اسی پر حملہ تھا آپ کو قید کر دیا تھا۔

آں کسے را کہ دریں ملک سلیماں کردند ملت امروز یقیں کرد کہ او اہرمن است

عارف نے نئی نئی بحریں اور اوزان ایجاد کیے ہیں۔ جن کو صرف ماہرین موسیقی ہی گا سکتے ہیں۔ اس قسم کی نظموں کے سوا آپ کا کلام زیادہ تر غزلیات پر مشتمل ہے۔ آپ کا دیوان ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں برلن میں چھپ چکا ہے۔ جس پر ڈاکٹر رضا زادہ شفق نے مقدمہ تحریر کیا ہے۔ آپ کے اشعار لطیف جذبات قومی سے لبریز ہیں۔ اور سننے سنانے والوں کے جذبات ملی کو برانگیختہ کرتے ہیں۔ آپ کی غزلیں قومی

محفلوں میں گائی جاتی ہیں۔ اور آج بھی قارئین و سامعین ان پر سر دھنتے ہیں۔

۱۸۔ غمام ہمدانی

آقا محمد یوسف زادہ غمام پسر حجۃ الاسلام آقا سید یوسف ہمدانی۔ رجب ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ نجف اشرف اور ہمدان میں عربی و فارسی کی تعلیم پائی۔ اور علوم و فنون متداولہ کی تحصیل کی۔ دورہ مشروطیت میں آپ احرار کے لیڈر تھے۔ آزادی وطن کی خاطر آپ نے بہت مشقتیں جھیلی ہیں۔ ہمدان سے ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۶ء میں آپ نے "الفت" نامی اخبار جاری کیا۔ اور "انجمن اتحاد" قائم کی۔ جو کئی برس تک احرار کا ملجا و ماوی بنی رہی۔ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں مشروطیت کے قیام کے بعد آپ سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور صرف بعض اوقات ضرورتاً منظر عام پر آئے ہیں۔ ورنہ تجارتی و ادبی مشاغل میں مصروف اور قومی و ملکی مسائل سے علیحدہ ہیں۔

غمام کا کلام زیادہ تر غزلیات پر مشتمل ہے۔ آپ کی غزلوں کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ فلسفہ و حکمت، پند و موعظت کے مضامین آپ کا خاص موضوع ہیں جنہیں آپ غزل کی سادہ و سلیس، شگفتہ و شیریں زبان میں پیش کرتے ہیں۔ اور مغلق اور پیچیدہ الفاظ کہیں نہیں نظر آتے۔

۱۹۔ فرخ خراسانی

میرزا سید محمود جواہری ۲۳ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء کو مشہد مقدس میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد میرزا سید احمد "آقائے جواہری" خراسان کے مشہور اہل علم و فضل میں شمار کیے گئے ہیں۔ فرخ نے باپ کے زیر سایہ عربی و فارسی علوم رائجہ کی تعلیم پائی۔ اور تحصیل علمی کے بعد تجارت وغیرہ میں مصروف ہو گئے۔ ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں روس، جرمنی، فرانس وغیرہ کی

سیاحت کی۔

شعر و سخن میں آپ نے کم عمری ہی میں استادوں کی سی مشق و قدرت بہم پہونچا لی تھی۔ آپ کے اشعار کا جوہر روانی و شگفتگی اور سلاست و شیرینی ہے۔ اور آپ دور حاضر کے خوش گو اور صاحب فن باکمال سخنوروں میں گنے جاتے ہیں۔

۲۰- فرخی یزدی

میرزا محمد فرخی ۱۳۰۶ھ (۱۸۸۸ء) میں یزد میں پیدا ہوئے تحصیل علم کے بعد کسب معاش اور دنیا داری میں مصروف ہو گئے۔ تحریک انقلاب شروع ہوئی تو یہ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) کے جشن نوروز کے موقعہ پر ایک پرجوش مسدس پڑھ کر سنایا جس کا مطلع یہ تھا۔

عید جم شد اے فریدوں خو بت ایران پرست   مستبدی خصم ضحاکی است این خنجر بدست
حالیا کز ظلم و تور انگلیس و روس ہست   ایرج ایران سراپا دستگیر و پای بست

بہ کہ از راہ تمدن ترک بے مہری کنی
در رہ مشروطہ اقدام منوچہری کنی

حقیقت میں یہ مسدس عجیب طوفان انگیز اور ولولہ خیز نظم ہے ضیغم الدولہ قشقائی حاکم یزد۔ اس قدر آپے سے باہر ہوا کہ اس نے حکم دیا کہ فرخی کا منہ سی دیا جائے۔ اور قید کر دیا جائے۔ چنانچہ مدت تک فرخی قید میں اور منہ کے زخموں کے شدائد میں گرفتار رہے۔ اور اس کے اثر سے اب بھی گفتگو صاف اور واضح نہیں ہے۔ قید سے رہا ہونے پر آپ کا قومی جوش اور خدمت ملک کا جذبہ اور بھی تیز ہو گیا۔ اور آپ پوری سرگرمی سے اصلاح ملک و قوم کے کام میں مصروف ہو گئے

یورپ کی جنگ عظیم کے زمانہ میں فرخی بغداد اور کربلا کو ہجرت کر گئے۔ وہاں سے انگریزوں نے نکالا تو موصل چلے گئے۔ پھر ایران واپس آئے تو روسیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگئے اور عرصہ تک قید رہے۔ پھر وثوق الدولہ اور سید ضیاء الدین طباطبائی کے عہد وزارت میں دوبارہ قید ہوئے۔ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں آپ نے "طوفان" جاری کیا۔ جو اپنے عہد کا بہترین ادبی و سیاسی اخبار تھا۔

انقلاب روس کے جشن دہم کے موقعہ پر آقائے فرخی یزدی۔ آقائے شیروانی مدیر روزنامہ میہن۔ اور شاہزادہ سلیمان میرزا روسی دعوت کے جواب میں ماسکو گئے۔ فرخی نے واپسی پر اپنا سفرنامہ اور اس زمانہ کے تاثرات "طوفان" میں شایع کرنے شروع کئے لیکن حکومت نے اخبار بند کر دیا تو یہ سلسلہ بھی مسدود ہو گیا۔

۱۳۴۷ھ - ۱۹۲۸ء-۲۹ میں آپ یزد کی طرف سے مجلس ملی کے ممبر منتخب ہوئے۔ مجلس میں اکثریت حکومت کے حامیوں کی تھی اور فرخی مخالفین کے سرگروہ تھے۔ اس لئے آپ کو اکثر طعن و ملامت کا آماجگاہ بننا پڑتا تھا۔ غرض آپ نے اپنی پوری عمر قومیات کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ اور اس قرن کے وطن پرستوں میں آپ کا نام زریں حروف میں نمایاں کئے جانے کے قابل ہے۔

آپ کی منظومات، غزلیات اور رباعیات قومی جذبات اور جوش ملکی سے لبریز ہیں۔ آپ نہایت زود گو اور پرگو قادر الکلام شاعر ہیں۔ عموماً چند منٹ میں پوری غزل کہہ لیتے ہیں۔ آپ کا کلام ابھی تک علیحدہ کتابی صورت میں شایع نہیں ہوا۔

محمد طاہر فاروقی

مارٹن محل، آگرہ۔

یکم مارچ سنہ ۱۹۳۶ء

منظومات

ملک الشعرا میرزا محمد تقی بہار خراسانی

کل الصید فی جوف الفرا

چار تن در یک زمان جستند در دانشوری
پنج نوبت کوفتند اندر شعر و شاعری

جاه و آب یافت کی شه تازه زین چار استاد
فرخی و عسجدی و زینبی و عنصری

درگه محمود شد زین چار شاعر پر فروغ
همچنان کز هفت اختر گنبد نیلوفری

زر فرستادی بهر شاعر از بر پشت پیل
این شد خوش بازارگانی آمد الاشتری

بود کار شاعران در حضرت غزنی بجا
زانکه چار محمود را بر شیوه شاعر پروری

بهر خدمت هر یکی نیکو غلامان داشتند
با کرامات سر و تاج با آسمان سری

ایستانیده بدرگه مرکبان راهوار
گسترانیده بمجلس فرش‌های عبقری

در حضر همراه خسرو در سفر همراه شاد
شوق خدمت در سر و در دست رایش مهتری

چرخ بر این چار تن بگماشت چشم ملتفت
دهر بر این چار بود افگنده مهر مادری

با چنان حشمت که بودند آن اساتید بزرگ
بال دولت در کنار و فضل و حکمت برتری

بندگان بودند و شاگردان بر استاد طوس
زانکه بود آن به سخن سنجان دوران برتری

من عجب دارم از آن مردم که هم پهلو نهند — در سخن فردوسیٔ فرزانه را با انوری
انوری هر چند باشد اوستادے بے بدیل — کے زند با اوستادِ طوس لافِ همسری
سحر هر چندان قوی عاجز شود با معجزه — چون کند با دستِ موسیٰ سحرهاے سامری
شاهنامه هست بے اغراق قرآنِ عجم — رتبهٔ دانائے طوسی رتبهٔ پیغمبری
شاعرے را شعر سهل و شاعرے را شعر صعب — شاعرے را شعر سخته شاعرے را سرسری
آن یکے پند و نصائح آن یکے عشق و مدیح — اینکی هزل و شریعت آنکی صوفی گری
بهترین شعرے ازین اقسام در شهنامه است — از مدیح و وصف و عشق و پند چون خوش بنگری
در مقام چاره سازی همچو پیر پزشکی چیره دست — در مقام کینه توزی چون پلنگِ بربری
چون دم از تقدیر و از توحیدِ یزدانی زند — روح را هر نغمه اش سازدے تنهاگری
داستانها بسته چون زنجیرِ پولادین بهم — کاندر آنها لفظ با معنی نماید همسری
باغبان وش از بہر داستانے نو بنو — بسته از اندرزِ خوش یک دسته گلبرگِ طری
چند روح اندر یکے شاعر بهم استاد و شاد — فیلسوفی، پادشاهی، گبری، کندآوری
زین طبایع مختلف سر زد صفاتِ مختلف — وان صفتها شعر شد و آن شعرها شد دفتری
شعرِ شاعر نغمهٔ آزادِ روحِ شاعر است — کی توان این نغمه را بنهفت با افسونگری
فی المثل گر شاعرے مهتر نباشد در منش — هرگز از اشعار او ناید نشانِ مهتری
ور نباشد شاعرے اندر منش والا گهر — نشنوی از شعرهایش بوے والا گوهری
هر کلامے باز گوید فطرتِ گوینده را — شعرِ زاهد زهد گوید شعرِ کافر کافری
ترجمانِ مجدِ والائے فردوسی بود — هر چه در شهنامه است آثارِ والا مخبری
لغت بهتر که دانند اهلِ فردوسِ برین — بر زبان لفظِ دری - جائے زبانِ مادری

نے عجب گر خازن فردوس فردوسی بود — کو بود بے شبهه رب النوع گفتاوری
عیب بر شهنامه و گوینده‌اش هرگز نه کرد — جز کسے کش نیست عقل از وصمت نقصان بری
گر نه با افسانه قانونشان به پیچانند پوز — از پریشان دانش پتک نیز داد از خری
کس بدیشان ننگرد گرچه زن و فرزندشان — لاجرم خصم بزرگانند و خصمے منکری
هرکسے مشهور شد این قوم بدخواه وے اند — زانکه بوم شوم باشد دشمن کبک دری
این نه دان با سعدی و حافظ همیدون دشمن اند — گرچه رو مجبور و خلق اند آن بتان آذری

مدح فردوسی شنیدم از شجاع الملک و گفت — طبع من از خواندن شعرش بدین گفتن جری
شطرے اندر شعر گفت از سال و ماه اوستاد — اینک این تاریخ نیک آید چو نیکو بشمری
سی صد و سی با لباسے لشکر از مادر بزاد — هم بشصت و پنج کرد آغاز دستان گستری
در اوایل چار صد شد اسپری شهنامه‌اش — پانزده سال دگر شد عمر شاعر اسپری
بر دو سی و پنج سال اندر کتاب خویش رنج — ماند باید گنج چنان گنجے بدین پهناوری
زر نکفت ناورد از بیدادکار فرمایان بدند — بسته همچون سکه بر دل نقش زر جعفری
جود محمودی در آغاز جهانگیری بود — چون فزون شد گنج رادی رفت آمد مسری
زنده شد ایران ازین شهنامه گرچه شاعرش — خون دل خورد و ندید از بخت الا بدری

تا به عهد پهلوی شاهنشه والاگهر
شد هزاره او و در انگشت جهان انگشتری

افکار اخلاقی و فلسفی

از پی این کرهٔ پست و حقیر — زیر این قبهٔ مینای بلند
نیست آسوده کس از خرد و کبیر — من چرا بیهوده باشم خورسند

شده ام در همه آفاق باریک — رفته تا سرحد اسرار وجود
چیست هستی؟ قفسی تاریک — واندر آن نقطهٔ شکی مشهود

بجز آن نقطهٔ نورانی شک — نیست در این افق تیره فروغ
عشق و ستم حقایق یک یک — راست گویم؟ همه وهم است و دروغ

غیر ره سپهم نیاید بنظر — غم و شادی خوش و ناخوش بد و خوب
بکند کوکبهٔ صبح دگر — در بهم جلوه و تشییع غروب

فکر عصیان زده رست از گل — همچو گرداب یکی روح عظیم
چون یکی کشتی بشکسته ز گل — پیش امواج حوادث تسلیم

خلق را کرده طبیعت ز ازل — بهر قانون لطیف ازلی
سر تا سر ورق ثبت اول — رمز تا سر قلم ثانی

گره شد گلوگاه باد شمال — هوای دژم را دگرگشت حال
بیفگند رنگ سیمرغ زرین کلاه — بزد تیر در چشم اسفند ماه
گر از بیم برف و بیابان شدید — بجوشید سبزه بجنبید بید
دو ده روز از آن پیش کاید بهار — فریبنده خورشید شد گرم کار
به بستان خورشید و زرق سپهر — بهاری پدیدار شد خوب چهر
بزد بر گل تر سر از شاخ خشک — پر از مشک شد زلف بید مشک
دو سه روز شب گشت و شب روز شد — گل پیش رس گلشن افروز شد
نگار بهار و خدیو چمن — گل یاسمین زیور انجمن
به یک ماه از آن پیش کایام اوست — برآمد ز مغز و برون شد ز پوست
بخندید بر چهره خورشید روز — بشب خفت پیش مه دلفروز
گمان برد مسکین که خورشید ماه — برآمد هر روز بیگاه و گاه
ندانست کان نیک نه هنگام اوست — که بر جاست زهر در جام اوست

بناگه طبیعت برآمد ز خواب — فرو خفت خورشید بر شد سحاب
بغرید باد از بر کوهسار — بیفتاد نازو و شمشاد خوار
زبانه خشک طبعی آغاز کرد — طبیعت ببردی سخن ساز کرد
بیفتاد برف و بیفسرد جوی — سپه زاغ در باغ شد بذله گوی
سراسر بیفسرد و پژمرد باغ — همان پیش رس گوهر شب چراغ
شکر خند نازش بگنج لبال — بیفسرد و دشنامش اندر زبان

چنین است پاداش زود آمدن   بامید باطل فسرده آمدن

من آن پیش رس غنچه تازه ام   که هرجا رسید است آوازه ام
من آن نوگل برگ جان خورده ام   بغفلت فریب جهان خورده ام
بیک راه صد ساله پیموده ام   به بیگانه رخساره بنموده ام
بخون گرمی روز بشکفته ام   ز دم سردی شب بخون خفته ام
ز بی آبی عرق پژمرده ام   ز سرمای عادات افسرده ام

نموده در ایام یک روز شاد
نخندیده در باغ یک بامداد

فردوسی

سخن بزرگ شود چون درست باشد و راست
کس از بزرگ شد از گفته بزرگ رواست
چه جد و چه هزل او درآید بآزمایش کجا
هر آن سخن که نه پیوست با معانی است
شنیده ای که بیک بیت قلعه ای بشکست
شنیده ای که زیک شعر کینه ای برخاست
سخن گر از دل دانا نخاست زیبا نیست

گرش قوافی مطبوع و لفظها زیبا است

کمال هر شعر اندر کمال شاعر اوست
که صنع دانا انگارهٔ دل داناست

چو مرد گشت دنی قولهای اوست دنی
چو مرد والاست گفته‌های او والاست

سخاوت آرد گفتار شاعری که سخی است
گدائی آرد اشعار شاعری که گداست

کلام هر قوم انگارهٔ سرایر اوست
اگر فریبگر است یا شکار ریاست

نشان سیرت شاعر ز شعر شاعر جوی
که فصل گلبن در فصل آب و خاک هم است

درستکاری فرع درستی طبع است
بلند رتبتی فرع بلندی بالاست

بود نشانهٔ خبث "حطیئه" گفته‌های او
چنان که گفته "حسّان" دلیل صدق و صفاست

کمال شیخ "معرّی" ز فکر اوست پدید
شهامت "متنبی" ز شعر او پیدا است

نشان خوی "دقیقی" و خوی "فردوسی" است
تفاوتی که به شهنامه‌ها به بینی راست

بلے تفاوت شہنامہ را بمعنی و لفظ
درست و راست بہ ہنجار خوے آن و گو است

جلال و رفعت و گفتار ہاے شاہانہ
نشان ہمت فردوسی سخن آراست

خطاب ہاے دلیرانہ و شجاعت ہا
دلیل مردی گوینده است و فخر او راست

محاورات حکیمانہ و روایت ہاش
گواه شاعر در عقل و راے حکمت است

صریح گویہ گفتار ہاے او کایں مرد
بہمت از امرا و بہ حکمت از حکماست

کجا تواند یک تن دو گونہ کردن فکر
جز آں کہ گوئی دو طرح در سخن تنہاست

بصد نشاں ہنر اندیشہ کرده فردوسی
نعوذ باللہ پیغمبر است اگر نہ خداست

درون قصہ بازی یکے نمایش کرد
اگر دو گونہ نمایش دہد بسی والاست

یکے بہ پہنۂ شہنامہ بیں کہ فردوسی
بصد لباس مخالف ببازی آمده است

امیر کشور گیر است و گرد لشکر کش
وزیر روشن رائے است و شاعرے شیواست

مکالمات ملوک و محاورات رجال
ہمہ قریحہ فردوسی است بے کم و کاست

برونِ پردہ جہانے ز حکمت است و ہنر
درونِ پردہ یکے شاعرے ستودہ لقاست

بہ تختِ ملک فریدوں بہ پیش صف رستم
با احتشام سکندر بہ مکرمت داراست

بگاہ پوزش خاک و بگاہ کوشش آب
بوقت ہیبت آتش بوقت لطف ہواست

بوقت رائے زدن بہ ز صد ہزار وزیر
کہ ہر وزیر ورائے صد ہزار دہاست

بہ بزم سازی مانند بادہ نوشش ندیم
بہ پارسائی چوں مرد مستجاب دعاست

بگاہ خوف مراقب بگاہ کین بیدار
گہ ثبات چو کوہ و گہ عطا دریاست

بحسب حال کجا بشمرد حکایت خویش
حدیث ہائے صریحش تہی ز روی و ریاست

بزرگوارا ، فردوسیا ! بجائے تو من ،

یک از هزار نیارست گفت از آنچه بواست
ترا ثنا کنم و بس، که زین دغل مردم
همی ندانم یک تن که مستحق ثناست
ترا کنیم ثنا تا که زنده ایم به دهر
که شاهنامه‌ات ای شهره مرد فخر ماست

جلال الممالک شاهزاده ایرج میرزا

قلب مادر

داد معشوقه بعاشق پیغام — که کند مادر تو با من جنگ
هر کجا بیندم از دور کند — چهره پرچین و جبین پر آژنگ
با نگاه غضب آلود زند — بر دل نازک من تیر خدنگ
از در خانه مرا طرد کند — همچو سنگ از دهن قلماسنگ
مادر سنگ دلت تا زنده است — شهد در کام من و تست شرنگ
نشوم یکدل و یکرنگ ترا — تا نسازی دل او از خون رنگ
گر تو خواهی بوصالم برسی — باید این ساعت بی‌خوف و درنگ
روی و سینه تنگش بدری — دل برون آری از آن سینه تنگ
گرم و خونین بمنش باز آری — تا برد زآینه قلبم زنگ

عاشق بی خرد و ناهنجار — نه بل آن فاسق بی عصمت و ننگ
حرمت مادری از یاد ببرد — خیره از باده و دیوانه ز بنگ
رفت و مادرش بیفگند به خاک — سینه بدرید و دل آورد به چنگ
قصد سر منزل معشوق نمود — دل مادر به کفش چون نارنگ
از قضا خورد دم در به زمین — و اندکی رنجه شد او را آرنگ
آن دل گرم که جان داشت هنوز — اوفتاد از کف آن بی فرهنگ
از زمین باز چو برخاست نمود — پی برداشتن دل آهنگ
دید کز آن دل آغشته به خون — آید آهسته برون این آهنگ

آه دست پسرم یافت خراش
وای پای پسرم خورد به سنگ

در مذمت شراب

ابلیس شبی رفت به بالین جوانی — آراسته با وضع مهیبی سر و بر را
گفتا که منم مرگ اگر خواهی زنهار — باید بگزینی تو یکی زین سه خطر را
یا آن پدر پیر خودت را بکشی زار — یا بشکنی از خواهر خود سینه و سر را
یا خود ز می ناب بنوشی دو سه ساغر — تا آنکه بپوشم ز هلاک تو نظر را
لرزید از این بیم جوان بر خود و جا داشت — کز مرگ فتد لرزه به تن ضیغم نر را
گفتا نکنم با پدر و خواهرم این کار — لیکن به می از خویش کنم دفع ضرر را

جامے دو سہ مے خورد و چو شد تیز ز مستی — ہم خواہر خود را زد و ہم کشت پدر را

اے کاش شود خشک بن تاک خداوند

زیں مایۂ شر حفظ کند نوع بشر را

گفتگوئے کارگر و کارفرما

شنیدم کارفرمائے نظر کرد — ز روئے عجب و نخوت کارگر را

روان کارگر از وے بیازرد — کہ بس کوتاہ دانست ایں نظر را

بگفت اے کبرور ایں نخوت از چیست — چو مزد رنج بخشی رنجبر را

من از آں رنجبر گشتم کہ دیگر — نہ بینم روئے کبر گنجور را

تو از من زور خواہی من ز تو زر — چہ منت واگذشت باید یکدگر را

تو صرف من نمائی بدرۂ سیم — منت تاب روان نور بصر را

ز من زور و ز تو زر ایں بآں در — کجا باقیست جا عجب و بطر را

نہ باقی داد و ایں دفتر نہ فاضل — گہر دادی و بس دادم ثمر را

بکس چوں رائگاں چیزے نہ بخشند — چہ کبر است ایں خداوندان زر را

چرا بریکدگر منت گذارند

چو محتاج اند مردم یکدگر را

تعارف

یارب این عادت چه می باشد که اهل ملک ما
گاه بیرون رفتن از مجلس نه دو سه رم می کنند

جمله بنشینند با هم خوب و برخیزند خوش
چون به پیش در رسند از یکدگر رم می کنند

همچنان در موقع وارد شدن بر مجلسے
گر ز پیش رو گہے از پشت سر رم می کنند

بر زبان آرند بسم اللہ بسم اللہ را
گر کسی جن دیده یا از جانور رم می کنند

اینکه وقت رفت و آمد بود اما این گروه
در نشستن نیز یک نوع دگر رم می کنند

آں یکے چوں می نشیند آں یکے در می جهد
تا دو نوبت گاه کم گه بیشتر رم می کنند

فرضاً اندر مجلسے گر ده نفر بنشسته اند
چوں یکے وارد شود ہر ده نفر رم می کنند

گوئی اندر صفحهٔ مجلس فنر بنشانده اند
چوں یکے پا نهد روی فنر رم می کنند

نام این رم را نادانان ادب بنهاده اند

بیشتر از صاحبان سیم و زر رم می کنند
از برای آنچه رم مطلقاً معمول نیست
تا توانند از برای گنج و زر رم می کنند

قوی و ضعیف

قصه شنیدم که بوالعلا به همه عمر — لحم نخورد و ذوات لحم نیازرد
در مرض موت با اجازهٔ دستور — خادم او جوجه با به محضر او برد
خواجه چو آن مرغ کشته دید برابر — اشک تحسر ز هر دو دیده بیفشرد
گفت بطیر از چه شیر شرزه نگشتی — تا نتواند کست بخون کشد و خورد

مرگ برای ضعیف امر طبیعی است
هر قوی اول ضعیف گشت سپس مرد

میرزا ابوالحسن خان فروغی

انسانیت

اگر دیده بی نور دیده نبود — هم این آدمی بی خرد آدمی است
چو تو دیده بی خرد نیست مردم که — او چو نقشی به دیوار نقش آدمی است

تو هر نقش زیبا که بینی بباغ — جز از خلق آن چشم بینا نیست
به بینش دراست آفرینندگی — که بی دیده خود نقش زیبا نیست
همان چشم بینای گیتی توئی — عجب کت گر از دیدنی ناسزا نیست
از آن تیرگی را چون چشم کور — که ساده دلت همت افزای نیست
جز از کار بینش نیفزاید است — جز از بینشت کار افزای نیست
فروغی که در نام داد و فروغ — بدین نام تازنده بی جای نیست
جهان بی فروغ خرد منزلیست — جز از بستر خار و خارای نیست

خرد جز چراغی نور بینش فزای
که همت کند سوی بالای نیست

عزت نفس

بر آنم که دست از جهان باز دارم — جهان با جهان جوی غافل گذارم
مرا پردهٔ غفلت از دیده پاک دم — گرفتند زان پس تنعم ندارم
چه بندم بدان نعمت شوم دل را — که از کشته اش پشته ها بر شمارم
مرا هیچ گل نشگفد پیش خاطر — جز از خار کو خسته پای برآرم

نگردد دلم رنج زاری کشیدن
ازان به که نزدیک دونان برآرم

مخمس در جنگ بین المللی

آمد دی و بهمن سخن اینست بایجاز — روزیست که گل را کفن ناید ز آغاز
درماند بشاخ غنچه دهن می نکند باز — هر مرغ بصحرای دگر گشت بپرواز

ای مرغ روان هم تو ز خود این خانه بپرداز

این خانه بپرداز بباغ دگری شو — در راه بدان باغ مرادی بدرستی رو
کش بهره برد هم خور و هم خار زبر تو — باشد که ببخشند ترا بهر توی از تو

وان ساقی خورشید رخ خسم گرو دمساز

در آینه جام رخ جم بنگارد — در جام جم آن خون سیاوش بشمارد
آن آب که چون آتش زردشت بپاید — وان بادیه جام جم بکف مشت گذارد

یعنی که بنه دامن زردشت بکف باز

کو دین هری کینه ز زردشت ستاند — در آب چه آتش اثر نیک نماند
زانست که این آب به پستی بکشاند — زین پیش تو گوئی که به پستی برساند

کامروز رسیدیم ازین دهر سبک تاز

از جم چو نشانی بجز از جام نمانده است — با جام بسازیم که سرانجام نمانده است
هر چند ز مروان بجز از نام نمانده است — در خاطر ما جز طلب کام نمانده است

ناکام تو پس آتش خسم به تن انداز

گر باده گر طرح سرانجام بیابیم — در ترک ... مرغ و لب جام شتابیم
امروز بده باده که جیبم با دو خمار آیم — من بنده که پرلب ذره شده و ... شتابیم

خورشید بکف دارم و شرمنده ز ابراز

بر کشور ما تیرگی آورد چناں دست ‏ ‏ ‏ ‏ کامروز رہ نور بسایہ بجہاں بست
اے باغ شہاں گشت قدم خار و خساں خست ‏ ‏ ‏ ‏ آغاز چناں عالی و انجام چنیں پست

ایں سحر چناں خاست ازاں کوکب اعجاز

ما تا طفلانیم ازاں تیرہ لقانیم ‏ ‏ ‏ ‏ از راستی اینک بکجی خیمہ کشانیم
خوبش چو زند دل کہ دگر جاں بفشانیم ‏ ‏ ‏ ‏ ناچار ہماں آتش باید بنشانیم

جاں باز نیارد و شد جز مرد سرافراز

اے تازہ گہر ہا کہ دریں کان جہانید ‏ ‏ ‏ ‏ چوں غنچہ بداں پردۂ آیندہ نہانید
چوں از پے ما پاے بریں خاک فشانید ‏ ‏ ‏ ‏ ایں تیرگی از دورۂ ما برستانید

آں نور بجوئید کہ بودہ است در آغاز

چوں آتش بے نور ز سستی نفس خاست ‏ ‏ ‏ ‏ شد اہرمنی دود وش در چشم ہنر است
با ایں ہمہ شمعے گر ازیں ظلمت شب کاست ‏ ‏ ‏ ‏ آں برق شہابی ز سماء ہنر ماست

ہاں پند بگیرید ز بشنیدن ایں راز

زاں پس کہ نماندہ بجہاں ہیچ اثر ما ‏ ‏ ‏ ‏ در خاک شود پے فگن خلق سر ما
تاج سر ما گردد ایں خاک در ما ‏ ‏ ‏ ‏ زنہار نگیرید ز ما جز ہنر ما

باقی ہمہ عفریت فنا را بود انباز

تضمین دو بیت ادیب پیشاوری

ز ساقی کہ لب پیش دارد مرا — شکر خواستم کز لب آرد مرا
یکے بادۂ آشفتہ شیریں شکر — چو آں نظم استاد صافی گہر
سخن سنج دانا ادیب سترگ — کہ پیشاور از نام وے شد بزرگ
نے گفت لبہا بچوں رطب — ہمی خواند با من ازاں تشنہ لب
"نیاموز خوے لب آفتاب — بہر جا کہ ویرانہ بینی بتاب"
شنیدم من و گوش من کام شد — کشیدہ ز ہر لفظ صد جام شد
شدم مست چونانکہ دریاے کے — پر از موج دیدم در ایوان کے
بدیدم سر و تاج جمشید را — فروزندہ رخسار خورشید را
بپا و رنگ دیدم بچرخ بلند — نشستہ بر آں خسروے ارجمند
تو گفتی کہ خورشید تخت است و شاہ — فروزندہ تر دارد از خود کلاہ
ز مستی نمش دست بردم بہ تخت — نیاشفت ازیں خسرو نیک بخت
یکے گوہر از تاج روشن بزیر — رہا کرد و گفت اے فرودی بگیر
چو بگرفتم ایں بیت دیدم بہائے — ہم از گفت دانشور نغز گوے

"ہر آں کو ز دانش برد توشۂ
جہانے است بنشستہ در گوشۂ"

اشعار حمید علی کمالی اصفهانی

جشن فردوسی

جهان پر نشاط است و شادی و جوش
نشاید سخنگو که ماند خموش

بویژه که این جشن ملی بود
سزد هرچه از آن ستایش بود

گر این جشن را ریشه خواهی نخست
بگویم که چون سزد و از چه رست

بوقتی که ایرانیان را زیاد
تبه خواست گردیدن ارج و نژاد

یکی مرد گوینده آورد طوس
که آراست روی سخن چون عروس

حکیم و دل آگاه سنجیده گو
خجل آب حیوان بر طبع او

بلطف معانی و گفتار نغز
جهان را بطیب گل آگند مغز

پی نظم گفتن چو آغاز کرد
ز فردوس گفتی دری باز کرد

پر از رای و مردی سخنهای او
سخن جامه برید بر بالای او

ز گفت تو آئین بجای نشست
که کس را بدان جا دگر نیست دست

سخن هرچه بود از نیاگان ما
ز مردان جنگی و شاهان ما

ز طرز جهانداری و بسط خاک
ز داد و دهش ها و آئین پاک

ز افسانهای غریب و شگفت
کزان پند دانا توان گرفت

ز گفتار و کردار متروک و خوار
که اکنون بدان ها کنیم افتخار

بیاورد در نظم یکسر شهید — بدل داد ایرانیان را امید
بسی سال بردند آن کار رنج — به عشق وطن نه با امید گنج
برستم چه آن گفتها کرد یاد — بدان نام میمون شهنامه داد
ز فردوسی اکنون بگیتی سخن — بماند است هرگز نه گردد کهن
کنون جشن سال هزاره و است — همه ملک سرگرم کار وی است

الا ای سخن گوی استاد طوس — زمانه بمرگ تو دارد فسوس
خطا گفتم این گفت نه چون منی است — که زی تو همی مرگ را راه نیست
تو آن پرهنر مرد گوینده ای — که تا پارسی هست تو زنده ای
قلم گیر تا جمله گویندگان — بخیل تو آیند چون بندگان
گرت شاه محمود دل رنجه کرد — زکردار او دل ترا گشت سرد
ازان عهد تا پنج صد از هزار — بایران بیامد یکی شهریار
ابا آهنین عزم و رای قوی — شهنشاه بیدار دل پهلوی
که تاج و نگین بالد از نام او — ستاره بجوید مگر کام او
ازآن پس که ایران پر از فتنه بود — ز ناایمنی هر طرف شر بود
فراوان بهر جا به آشفتگی — نفس ها گرفته ز دل تفتگی
بجنبش ز هر گوشه گردن کشی — بجز در خرابی نه بد کوششی
بعزم قوی کارها کرد راست — بکوبید هر سرکز آن فتنه خاست
همه کارها زو گرفته نظام — برون خودسری شد ز ایران تمام

سر افگنده هر کس پی کار خویش — برفت از پی سود بازار خویش

چو اینگونه هر توسنی رام شد — بکشور همه ملک آرام شد

به پست و بلندی هر کار دید — نخست آنچه بایسته بد برگزید

پی اخذ تعلیم و بسط علوم — جوانان شایسته زین مرز و بوم

فرستاد آنجا بپای فرنگ — که بی علم مردم ندارند سنگ

بفرمود ایرانیان را تمام — که سالی دو مانند اندر نظام

ازین راه شاهانه شد زورمند — جوانی که پارس پدیدست تنومند

کنون بزر را گاه افشاندن است — سپس کام از حاصلش راندن است

کمی باش تا میوه آرد ببار — هر آن تخم کافشاند ای شهریار

بناهای زیبا بس ایجاد کرد — هر آن جا که ویران بد آباد کرد

بفرمود تا خانهای خراب — بکوبند و سازند طرز صواب

مجلل ترا خواست آرامگاه — که جبران کند کار شه باز شاه

چو مجلس شهنشاه ملت بدید — بعشق تو و میل شه بگروید

بزرگ اندر آن کار امداد کرد — هم از جشن تو قلب خود شاد کرد

کنون از پس تو بسالی هزار — کمالی بدین گفت نا استوار

بسوی تو خواهم که ره جویمی
بگویم پی گفته تو پویمی

خوانند بهار مهرگان را

ای عصر جدید اے که خود را | ز اعصار خجسته می شماری
رانی الن بر دگر گویت تا | از عدل چه بے خبر نداری
در ما بقیه تم و عهد وسطی | هرگز نه بد این سیاه کاری
آری که بعثت یا بعهد آں | گر عصر به این نمط گذاری

وحشت کده کنی جہاں را

بر خود ز تمدن ار حسنا می | بگذاشته بصد خط و خال
دانا همه داند اینکه دامے | در آں تو نهاده بهر حال
چوں ساقی خوب رو که جامے | بر کف بدهیش ز زهر قتال
اینکه که بجا دوئی تمامی | گفتار نکو و زشت افعال

زیں راه کشی تو کے عناں را

گرچه بقرون پیش دانم | ایں فتنه و شور در بشر بود
آخوند ز سادگی در آں هم | گه پرتو مهر روے بنمود
آں مهر گرفته ترک عالم | ویں طرفه که تا لے است خوشنود
ده دل بگا قدم ازیں غم | کایں عهد گرفته اند مسعود

خوانند بهار مهرگان را

یک وادی هولناک غدار | کش فقده نیستش بجز خوں
با نام حقوق و عدل زخار | آراسته برنگ و افسوں

چوں شاہد دل کشش ببازار　　در جلوہ بیاوری ہمی چوں
اے کاش کہ پردہ می شد از کار　　تا چند زنی تو قفل وارون
پوشی بچہ رنگ آسماں را

اے ہیئت اجتماعی آں رخ　　کز تو است چو داغ بر جگرہا
آغشتہ بخون دیدہ ہا رخ　　سازی بسپر از پئے پدرہا
نہ کار نکو نہ رائے فرخ　　در تو نگرند با بصرہا
برگفت منت چو نیست پاسخ　　ور لب شکنیم ایں گرہا
پس خوب بہ بندیم زباں را

ہر چند زکبر برکشی سر　　و اسرار جہاں ہمہ بجوئی
دشمن بتو من شوم فزوں تر　　تا راہ بدیں طریق پوئی
نہ من کہ ہزار ہا ہنرور　　خصم اند ترا ازیں دو روئی
ایں خشم و ستیز با بد فتر　　آزردہ نمی تواں کہ شوئی
واں علت کہ نیست مرہم آں را

گر نیک بخویش بنگری ہاں　　با فکر عمیق و رائے روشن
بینی ز تمدن درخشاں　　داری تو چہ لکہ ہا بدامن
وحشی منشی گزیں کہ چنداں　　خصم نیستش از بہا ہستی تن
با ایں رخ خوب و لعل خنداں　　بس خوں کہ گرفتہ بگردن
ز آشوب مہل دمے زباں را

اے مرغ اگرچہ ای خوش آواز　　زیں نغمہ ترا بزند خنجر ،

جز طبع کمالی سخن ساز — کان نفع تمیز نهد از شعر
با تو نبود کسی هم آواز — بیهوده مکن بر دل سراز بر
بگذار ز سر هوای پرواز — کاین راه مخوف هست دیگر

ترسم که نبینی آشیان را

زاین نغمه نفهم گر نیایند — حلقوم ترا به تیغ فولاد
زہی مهر و سوی وفا گرایند — از سر بنهند رسم بیداد
پیرانه به پند لب گشایند — چون مرد کهن بطفل نوزاد
مشنو که همی به نغمه فزایند — از این سخنان سست بنیاد

پوشند نگار پرنیان را

تو پی نبری بکنه گیتی — ز اسرار وجود هر چه خوانی
طفلی که کند هنوز تاتی — داند چه رموز آسمانی
در سیر بشر بلاک دیدی — این کشمکش است جاودانی
با غائله حیات آری — رمزی است نهان که تو ندانی

زین فکر عبث مکاه جان را

چکامهٔ وطنی

ای کشور جم نه چنان گشته خراب — کآبادی تو کس بتوان دید بخواب
گویند اهل فکر که اصلاح حال تو — شاید ولیک نیست طریقی جز انقلاب

من نیز بینمی که ازین خون بهیچ روی — در عرش مردمان تو نتوان نمود یاب

پاشندگان کشور سیروس و داریوش — افسرده اند فاسد از شیخ تا شباب

اخلاق فاسد از همه سو بسکه موجزن — چون تشنه است طالب اصلاح در سراب

گیتی تبه گشته و ما همچنان ز جهل — در خواب غفلتیم و نگیریم از آن حساب

ما از زمانه شکوه نگیریم اگر سزا — خود را چنو عوض ننماییم با شتاب

این کهنگی بمرگ کشد مان علی الیقین — بیگه چنان که گر نباشد بهیچ باب

تا خود چه اختیار نمائی برای خود — من گفتم آنچه سر بود و نمودم ره صواب

ترسم که سر ز خواب برآریم آن زمان — کز جانب دگر زده سر باشد آفتاب

پیچیده بار گردش گردون کهن کند — گردد زمین شنیده گهی ناله که عتاب

تا آخر سیاه بختی ما کی سر آیدی — مویم سپید گرد و ندارم یکی جواب

پس آسمان ز جهل نباشد گله ما — راحت اگر بریم بگیتی و گر عذاب

هر تخم کان گذشته همان نیز بدوریم — بیرون هما نیاید از بیضهٔ غراب

نشستیم با تو راه بر بندند دیگران — زین طرفه تر که هیچ ندارم اضطراب

با صنف خوار و جاهل و بیکاره آن کنند — مردان کارکان نتهابند باد و اب

برجسته مرد وار میان بند اگر حیات — خواهی و پا گذار دلیرانه در رکاب

آن را که مهر و درد وطن نیست گو بمیر — زان کش بمغز رای و خرد نیست و نه تاب

اصلاح کن نخست خود را ز عیب و پس — اصلاح ملک خواه شوی تا که کامیاب

کوتاه کن کلام و لب از سخن ببند — وز چهرهٔ حقائق خوبی بکش نقاب

[illegible] بنزیم اندر چه سود — آید اگر که [illegible] حجاب

ویرانی ایران

چند بباید نشست و بود نگهبان | دید تو ویرانی و خرابی ایران
وه که بتحمل ز حد گذشت صبوری | بیش از این نگاه کردن نتوان
کشور سیروس گشته ملعبهٔ خبث | فاسد و جاهل و مغرض و نادان
ریخت بخاک آبروی خانهٔ کسری | رفت بباد افتخار تخمهٔ ساسان
یک ده آباد در کنار خزر نیست | گر تو ببینی درست تا لب عمان
رفت بتاراج مرز و بوم کشاورز | زو اثری نیست غیر کلبهٔ ویران
بالله اگر دل نهی بکاخ زراندود | گر تو ببینی سیاه خانهٔ دهقان
ملک خراب این چنین نه با تفنگها | دست نداریم باز ما ز سر آن
از پی امید یک دو روز وزارت | چشم بپوشیم از خدا و ز وجدان
تا که ببینی همه ولیس به تهمت | تا نگری جمله چیره دست به بهتان
آخر از این حزب و دسته‌های سیاسی | کز پس هم می نهند پای بمیدان
بهره چه بردیم ما و ملک چه دیده است | غیر نفاق و خلاف‌های بسامان
بلکه اکنون به تیره بختی ما نیست | گر تو ببینی و خدا آشکار و به پنهان
بیشتر از آن که این اساس بخواهی | هستی ما بگسلد ز بیخ و ز بنیان
باید از این دسته‌ها یکی بگشاید | دست دگر دسته را بگزد بدندان
گر شود از آن پس سیاست دولت راند | در همه ملک بی معارض تاوان
خوب شده گند کارهای ملک و نگردد | از ستم و فتح عمر و زید پریشان

باید که زاد مردی آگاه — واهی و خسرو پرست خیزد از ایران

از پی اصلاح کار آخته شمشیر — بهر رهائی ملک برزده دامان

با قلبی سخت تر از آهن و فولاد — کش نتوان دست یابد آجه سندان

در همه حالی چو کوه ثابت و محکم — کان نشود وقت کار پیچ هراسان

ور که بجا نیست این چنین هنری مرد — تا بره اندر این سفینه ز طوفان

باش کمالی حصور زانکه نباشد
در دست در روزگار ناشده دوران

آقای بدیع الزمان خراسانی

ایران دیروز - ایران فردا

از چیست که این ابر تیره خاست؟ — وین تیرگی مهر از کجاست؟

این ابر فشاننده دود و دم — آوخ ندانم که از چه خاست؟

بارد همه بر خاک نفط و قیر — این بارش آن ابر دیو ساست

پیمانه جهان داشت روشنی — آن چهرهٔ روشن سیه چراست؟

می تافت از او فر ایزدی — آن فرهٔ یزدان چرا کجاست؟

افتاده شبانان شکسته دل — در گله سیه گرگ در چراست؟

سالی با به صد خرمی قرین　　آزاده به صد رنج مبتلاست
گویی که یزدان شده است چیر　　وین تیرگی از دیو تیره‌زاست
ایرا که بد و یافته ظفر　　شاد است و به بازی درین فضاست
خواهد که ز گیتی برد فروغ　　کز دیو همه تیرگی سزاست
پاینده چرا دیو زشت دست　　یزدان اگر امروز پادشاست
پذرفته چرا پیش دیو نیست　　فرمانش اگر بر جهان رواست
یزدان اگرش نیستی ایسر　　اهرمن اگر بر جهان کیاست
تابنده ازو باز روز چیست؟　　تاریک چرا گوشهٔ آسماست؟
گر چرخ برآورد بازیی　　نیرنگ که گیتی نه دیرپاست
هر نقش که کرد این نگارگر　　ناپایی‌تر از نقش سیمیاست
فرداست که سرتا پا خوش است　　ایران که کنون سرگه بلاست
پاشیده به هر ملک تاک خون　　بگرفته ز بهر شاد باز در سماست
وان را که ز فرمان تافت سر　　در دیده به شمشیر چون گیاست
شوید ز جهان باز نقش کفر　　این ملک برآید که ستماست
زانگه که فروتافت نور مهر　　این مرز پرستندهٔ خداست
وز رو که پذیرفت دین حق　　زانکس که بود فخر انبیاست
آن پاک پیمبر که سوی او　　آمد ز خدای کبریاست
آن پرتو گفتار احمدی　　زی دین خداوند رهنماست
ماند به جهان تا فروغ دین　　پیوسته در این ملک بقاست

زودا که جهان تیغ آتشین را — در کشتی این ملک ناخداست

دیرے نه که آن کاویان درفش — در نیم جهان برشده لواست

نو باده ایران بود بزرگ — گر پیش تو بے پایه کم بهاست

در کهنه جهان اے شگفت نیست — هر سے که نه در وے نشان ماست

این ملت آزاده اے هنوز — آثار بزرگیش پا بجاست

آن طاق بگردون کشیده سر — در بارگه تیسفون بپاست

وآن کاخ که گشته بے ستون — بر مردمی و کندآوری گواست

ویرانه استخر بین که نور — بالاے فلک پیش و دوتاست

بر نیمه گیتی شده است چیر — این پایه اثره جهان گواست

اے تازه جوانان پاک دل — کوشید که هان نوبت شماست

شماییت یکے آسیا که خون — دانند که آن نغز آسیاست

کوشید و نو آیین کنید ملک — کوشش ز شما و از ملک رواست

مرغے که نه کوشد به بال و پر — دریوزه گر مور دشتهاست

دارید زبان راست چو دل — کاین رسم و ره مرد پارساست

پاسا‌ے نیاگان کنید نو — زشت آنکه نه بر سیرت نیاست

در هید گفتار دیو هوش را — گر عزت ایرانیان هواست

کردارش بمانند گفت نیست — ایرانست که گفتار او بهاست

آن دیو بیاموز چه بسا گه — آگنده سر از دیو کیمیاست

پاساده دل و دیو بد گهر — بگریختن از دیوتان رواست

سکانهاست بخاک اندرون فرد / در ملک چرا یک جهان گداست

با آن همه برگ و نوا که هست / بس مرد فقیر اگر بینواست

بنشسته بزندان چرا غمین / آنرا که چنان باغ و گلشناست

ما راست سکه ز روز خویش ولیک / در کام هیچ یکی تره اژدهاست

خیز ایکه با آن کشیده تیغ را / کز تابش او فتنه هواست

همواره بود خصم زندگی / پیوسته با مرگ آشناست

برنده رنج است و پیچ و ده / کاهنده جان است جانگزاست

آریم بر آن با مراد خویش / کز خاطر ما تیرگی زداست

باید که پاینده ما و تو
این کز همی کشور کهنسیم راست

کوشش

که خواهد به گیتی شود سرفراز / سپهر بر شود و چرخ نارونماز

بجز بیم اندر از بهمن جنگ نیست / چو پیش آیدش کار و ننگ نیست

بچشم اندرون مرگ را آیدش / بجان و بدل خواستار آیدش

اگر آیدش سنگ خارا به پیش / که بتابدش رخ ز اراده خویش

بود دل آهنین سنگ را / نسازد دگرگونه آهنگ را

جهان را بشادی نگوید سپاس / ز بخت بدش نیست در دل هراس

به پیش بلا کس چو نه سخت تر — ز خود یاوری خواهد از بخت تر

چو مرد داننده بخت آفرین — نه با کس جهان مهر دارد نه کین

بکوشش گرا شایه را برتر بیست — جهان را به نزدیک او چاکریست

چو بختی بکوشید هنگام کار — بسا خوار مردا که شد شهریار

جهان کش ز گیتی بر آورده گرد — نیاز آورد پیش کوشنده مرد

چو کوشش کند مرد سنجیده رای — بروزی دو بینش گردون گرای

ز گیتی بر آید ز ساده سپهر — فروزان شود تابش مانند مهر

بخورشید بشگفت اگر یافت دست
بکوشش توان یافتن هر چه هست

میرزا علی اکبرخان دهخدا

اشعار حکمتی

در سلوکم گفت پنهان عارف وارسته ای
نقد سالک نیست جز تیمار قلب خسته ای
در گلستان جهان گفتم چه باشد سود گفت
در بهار عمر از بار حقایق دسته ای

از پریشان گوہران آسمان پرسیدمش
گفت! عقدے از گلوے مہوشان بگسستہ ای

گفتم این کیوان ببام چرخ ہر شب چیست گفت
دیدہ بانے بر رصد گاہ عمل بنشستہ ای

گفتم اندر سینہ ہا این تودۂ دل نام چیست؟
گفت! اسرار نہانی قسمت برجستہ ای

روشنی در کار بینی گفتمش فرمود نے
غیر برقے زادہ ہائے فکر وا نا جستہ ای

جبہہ بکشا کز کشاد و بست عالم بس مرا
جبہہ بکشادہ ای برابروے پیوستہ ای

دل بکن بر پاکی دامان عفت را چہ باک
گر شنفت ناسزائی گفت ناشایستہ ای

گوہر نغم نیست جز در بحر طوفان زاے عشق
کیست از ما اے حریفان دست از جان شستہ ای

قطعہ وطنی بسبک جدید

(۱)

اے مرغ سحر چو این شب تار بگذشت ز سر سیاہ کاری

وز نغمهٔ روح‌بخش اسحار رفت از سر خفتگان خماری
بگشود گره ز زلف زرتار محبوبهٔ نیلگون عماری
یزدان بکمال شد نمودار و اهریمن زشت‌خو حصاری

یاد آر ز شمع مرده یاد آر

(۲)

ای مونس یوسف اندرین بند تعبیر عیان چو شد ترا خواب
دل پر ز شعف لب از شکرخند محسود عدو بکام اصحاب
رفتی بر یار خویش و پیوند آزادتر از نسیم و مهتاب
زانکو همه شام با تو یک چند در آرزوی وصال احباب

اختر بسحر شمرده یاد آر

(۳)

چون باغ شود دوباره خرّم ای بلبل مستمند مسکین
وز سنبل و سوری و سپرغم آفاق نگارخانهٔ چین
گل سرخ و برخ عرق ز شبنم تو داده ز کف قرار و تمکین
زان نوگل پیش‌رس که در غم نا داده بنار شوق تسکین

از سردی دی فسرده یاد آر

(۴)

ای همره تیه پور عمران بگذشت چو این سنین معدود
وان شاهد نغز بزم عرفان بنمود چو وعد خویش مشهود

وز تیغ زرد چو شد بکیوان ها　　　هر صبح شمیم عنبر و عود
زانکو بگناه قوم نادان　　　در حسرت روی ارض موعود

در بادیه جان سپرده یاد آر

(۵)

چون گشت ز تو زمانه آباد　　　ای کودک دورهٔ طلائی
وز طاعت بندگان خوشنود　　　بگرفت ز مهر خدا خدائی
ز رسم اهرمن اسم شد آزاد　　　گل بست دهان ژاژ خائی
زانکس که ز نوک تیغ جلاد　　　ناخورده بجرم حق ستائی

پیمانهٔ وصل خورده یاد آر

پیرزال از خانمان دور

هنوزم بگوید از این هول حال　　　چه یاد آیدم حال آن پیرزال
که میرفت و میگفت پیر از جهان　　　ربوده ز کف طالعش خانمان
بچشمم تو این خانهٔ سنگ و خشت　　　مرا قصر فردوس و باغ بهشت
چه اندر پیش تو گشتست سیم　　　مرا خویش و پیوند و یار و ندیم
بهر خشت از آن با شدم صد هزار　　　بدل از زمان پدر یادگار
ز هر سنگ اندر نظر یادم　　　بهر گوشه صد داستان یادم
کشم رخت از آن چون من تیره بخت　　　که بابم درین خانه بگذاشت رخت

در این خانه ام بود ساز و سرود را
ز دیگر سرا چون کنم ساز گوید را

پروین خانم اعتصامی طهرانی

قلب مجروح

دی کودکے بدامن مادر گریست زار
کز کودکان کوی بمن کس نظر نداشت
طفلے مرا ز پهلوی خود بیگناه راند
آن تیر طعنه زخم کم از نیشتر نداشت
اطفال را بصحبت من از چه میل نیست
کودک مگر نبود کسے کو پدر نداشت
دی روز در میانه بازی ز کودکان
آن شاه شد که جامه خلقان ببر نداشت
من در خیال موزه بسے اشک ریختم
این اشک آرزو ز چه هرگز اثر نداشت
جز من میان این گل و باران کسے نبود

کو موزه ای بپای و کلاهی بسر نداشت

آخر تفاوت من و طفلان شهر چیست
آئین کودکی ره و رسم دگر نداشت

هرگز درون مطبخ ما هیزمی نسوخت
وین شمع روشنائی ازین بیشتر نداشت

همسایگان ما بره و مرغ می خورند
کس جز من و تو قوت ز خون جگر نداشت

بر وصله های پیرهنم خنده می کنند
دینار و درهمی پدر من مگر نداشت

خندید و گفت آنکه بفقر تو طعنه زد
از دانه های گوهر اشکت خبر نداشت

از زندگانی پدر خود مپرس از آنک
چیزی بغیر تیشه و بیل و تبر نداشت

این بوریای کهنه بصد خون دل خرید
رختش نگر که آستین دگی آستر نداشت

بس رنج برد و کس نشمردش بهیچکس
گمنام زیست زانکه ده و سیم و زر نداشت

طفل فقیر را هوس و آرزو خطاست
شاخی که از تگرگ نگون گشت بر نداشت

نساج روزگار درین پهن کارگاه
از بهر ما قماشے ازین خوب تر نداشت

اندرزهاے حکمتی

چه خواب میکنی اے دوست وقت بیداری ست
بهوش باش که کار جهان سیه کاری ست

بپات رشته فگندست روزگار بسوز
نه آگهی تو که این رشته گرفتاری ست

بگرگ مردمی آموزی و نمیدانی
که گرگ را ز ازل پیشه مردم آزاری ست

نهفته در پس این لاجوردگون خیمه
هزار شعبده بازی هزار عیاری ست

سلام دیو مگیر و متاع دزد مخواه
چرا که دوستی دشمنان ز مکاری ست

هر آن مریض که پند طبیب نپذیرد
سزائش تاب و تب روزگار بیماری ست

بچشم عقل ببین پرتو حقیقت را
مگو که نور و تجلی فسون و طراری ست

اگر که در دل شب خون نمی کند گردون
نگاه صبح چرا کوه و دشت گلناری ست

بچابکی نتوان رستن از کمند قضا
پلنگ گرسنه مشتاق گاو پرواری ست

بدار دست ز کشتی که حاصلش تلخی است
بپوش روی ز آئینه ای که زنگاری ست

سپرده دل مفتون خود به معشوقی
که هر چه در دل او از تو هست بیزاری ست

بخیره بار گران زمانه چند کشی
ترا چه مزد بپاداش این گرانباری ست

فرشته زان سبب از کید دیو بی خبر است
که اقتضای دل پاک پاکانگاری ست

بلند شاخهٔ این بوستان روح افزا
اگر نه میوه تهی شد ز پست دیواری ست

تو خسته تن خویش پراستی محکوم
تحمل ستم ناکسان ز ناچاری ست

دران دیار که دارو نی و پزشکی هست
اگر مریض بمیرد ز بی پرستاری ست

برو که فکرت این سود گر معامله نیست

متاع او همه از بهر گرم بازاری ست

نه ز هر شهد نه کج راستی طلب کردن
حدیث دیدن خورشید در شب تاری ست

گلش مبو که نه شغلش بغیر گلچینی ست
غمش مخور که نه کارش بغیر غمخواری ست

کدام شمع که ایمن ز باد صبح گهی ست
کدام نقطه که بیرون ز خط پرکاری ست

نه هر کسی که میان بست مرد میدان شد
بلندی اسپ کس از بلند مقداری ست

بدان صفت که ز هستی دهند یاد اشت
سزای کار در آخر همان سزاواری ست

عمارت تو شده است این چنین خراب ولیک
بخانه دگران پیشهٔ تو معماری ست

بهل که عاقبت کار سرنگون کند
بلندی که سرانجام آن نگونساری ست

ز سفله که جفا کردن است آیینش
ترا چگونه امید عنایت و یاری ست

آئین آئینه

وقت سحر به آئینه‌ای گفت شانه‌ای
کای رخ فلک چه بحر و ده گیتی چه شد خوست

ما را زمانه رنج کشش و تیشه روز کرد
خرم کسی که همچو تو اش طالعی نکوست

هرگز تو بار زحمت مردم نمی‌کشی
ما شانه می‌کشیم بهر جا که تار موست

از تیرگی و پیچ و خم راه‌های ما
در تاب و حلقه و سر هر زلف گفتگوست

با آن که ما جفای بتان بیشتر بریم
مشتاق روی تو است هر آنکس که خوبروست

گفتا هر آن که عیب کسی در قفا شمرد
هر چند دلفریب و رو خوش کند عدوست

در پیش روی خلق بما جا نهفت از آنکه
ما را هر آنچه اندرو نیک است روبروست

خاری بطعنه گفت چه حاصل ز بو و رنگ
خندید گل که هر چه مرا هست رنگ و بوست

چون شانه عیب خلق مکن مو به مو عیان

در پشت سر نهند کسے را که عیب جوست
زانکس که نام خلق بگفتار زشت گفت

دوری گزین که از همه بدنام تر هم اوست
زانگشت آز دامنِ تقوی سیه مکن،

این جامه چون دریده نه شایستهٔ رفوست
از مهر دوستانِ ریاکار خوشتر است

دشنام دشمنے که چو آئینه راستگوست
پروین نخست زیور یاران صداقت است
باید نیازمود و کسے را مدار دوست

مطایبهٔ فلسفی

عدسے وقت پختن از ماشے، روے پیچید و گفت این چه کجی ست
ماش خندید و گفت غره مشو زانکه چون من زیاد و چون تو بسی ست
هر چه را می پزند خواهد پخت چه تفاوت که ماش یا عدسے ست
همه را یک ره است اندر پیش، گرم اندر میانه پیش و پسے ست
جز تو در دیگ هر چه ریخته اند تو گمان می کنی که خار و خسے ست
نعمت من برای مقصودیست جست و خیز تو بهر ملتمسے ست
کارگر هر که هست محترم است هر کسے در محیط خویش کسے ست

تو دست از دست میرو هشدار | عمر چون کاروانِ بی جرسی ست
هر پری را هوای پروازیست | گرچه بازو گهی شکسته است
جز حقیقت هر آنچه می گویم | بادِ هوسی و بازی هوسی است
چه توان کرد اندرین دریا | دست و پا میزنیم تا نفسی است
نه ترا بهر فراغت نفسی است | نه مرا بهر خلاص دسترسی است
همه را بار بر نهند به پشت | کس نه پرسد که بار یار کسی است

گر که طاؤس یا که گنجشکی
عاقبت رزقِ دامی و قفسی است

اشکِ یتیم

روزے گذشت پادشهی از گذرگهی
فریادِ شوق بر سرِ هر کوی و بام خاست
پرسید از آں میانه یکی کودکِ یتیم
کیں تابناک چیست که بر تاجِ پادشاست
آں یک جواب داد چه دانیم ما که چیست
پیداست این قدر که متاعِ گراں بہاست
نزدیک رفت پیرزنے کوژپشت و گفت
کیں اشکِ دیدهٔ من و خونِ دلِ شماست

ما را بہ رخت و چوب شبانی فریفتہ است
این گرگ سالہاست کہ با گلہ آشناست

آن پارسا کہ دہ خرد و اسب رہزن است
وآن پادشا کہ مال رعیت خورد گداست

بر قطرۂ سرشک یتیمان نظارہ کن
تا بنگری کہ روشنی گوہر از کجاست

پروین بکجروان سخن از راستی چہ سود
کو آنچنان کسی کہ نرنجد ز حرف راست

میرزا ابراہیم خان پورداود

رستخیز

برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب کہ روز رزم و جنگ است

ہان شیشہ بگیر شمشیر
از گیسوی یار بستہ بندہ

بشتاب کہ تا رسی دیر است
ای سست نہ موقع درنگ است

برخیز ز خواب وقت تنگ است

بشتاب که روز رزم و جنگ است

تا چند زبان ز ظلم بسته ‌‌ ز آزادی خویش دست شسته
ننشیند بگوشه‌ای نشسته ‌‌ گر چشم نه کور و پای لنگ است
برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

تا چند خروش و آه و زاری ‌‌ زین پس نه سزاست بردباری
زین بیش نه درخور است خواری ‌‌ فرمان بردن ز روس ننگ است
برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

تا روس به ملک جا گزیند ‌‌ تا چند بگلستان نشیند
تا دشمن کیفرش نه بیند ‌‌ خود شهد بکام ما شرنگ است
برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

خوش آن باشد که تیغ آزیم ‌‌ اندر پیکار سر فرازیم
شمشیر ز خون سرخ سازیم ‌‌ چندیست که تیغ زیر زنگ است
برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

از بهر وطن بجان بکوشیم ‌‌ در رزم لباس جنگ پوشیم
چون شیر دژم بهم خروشیم ‌‌ گر دشمن اژدر و پلنگ است

برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

گر دور شود ز جسم ما سر — افتد در خاک تیره پیکر
ننهیم ز چنگ تخت و افسر — تا در ترکش یکی خدنگ است

برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

المان ز پی ستیزه برخاست — دریا دریا سپاه آراست
از زور حریف زشتخو کاست — زو بیم و هراس در فرنگ است

برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

شد تیره چو خاک چرخ مینا — از دودهٔ توپ کوه فرسا
لشکر بگرفت دشت و دریا — از برق و ز خون زمین خلنگ است

برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

شمشیر یلان در پی نگاه ما — آمد چو گاو و گلّه ها کوه
لرزد دل شیر از سپاه ما — شد آنکه روز فرهنگ است

برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

بیللے

اے گروہ عشق بازاں بیللے / اے ہواداران ایراں بیللے

سخت گرفتاریم با ہم وطن / رحم بر وے اے جواناں بیللے

خرمن امید از بیداد سوخت / آری از نو دانہ افشاں بیللے

بگسلاں اے مرد بند بندگی / پا بکش از چاہ زنداں بیللے

نیست مرد کار را در گیر و دار / بیم از این ترس از آں بیللے

ہر کہ را در سر ہوائے دلبر است / دارد اندر کف سر و جاں بیللے

گر بدو بارند تیر از چپ و راست / رو نگرداند ز میداں بیللے

اے خوش آں مردے کہ بر بالائے دار / جاں سپرد ایران گویاں بیللے

توپ از ہر سو ہمی غرد چو رعد / تیر از ہر گوشہ پراں بیللے

غلطد اندر رنگ و در خون خویش / نوجواناں صد ہزاراں بیللے

بیش ازیں مپسند ننگ خویشتن / زندہ کن نام نیاکاں بیللے

یاد آر از داریوش و اردشیر / زاں ہمایوں روزگاراں بیللے

الحذر زیں وزرہ از ایں ننگ و عار / مرگ بہ زیں روزگاراں بیللے

خانہ ما گشتہ آں دیو زشت / عرصہ ما از آں غولاں بیللے

گر شود امروز دشمن کامیاب / روز ما آید بپایاں بیللے

پور طہمورث بدر زنجیر را / بند با آں خیل دیواں بیللے

شیر شو از گله روبه مترس
گر توئی از پشت گردان یلے

اندر رزم

جام مے دلدار گذارید گذارید — پیش سلح تیر بیارید بیارید
نام سخن صلح و سلامت نرگس امروز — از توپ سخن گوش بدارید بدارید
جنگ است و از آن ذہن غلغلہ توپ — این پند گرانمایه شمارید شمارید
رزم آمد و جوش آمد و شد موسم کیفر — شمشیر شرربار برآرید برآرید
چالاک و درم سوے ہم آورد شتابید — دل را بخداوند سپارید سپارید
تنگ زندگی خرس سیہ کام سرآمد — تابوت و کفن زود بیارید بیارید
تا کالبد خرس بگورے سپارید
از لاشهٔ وے دست مدارید مدارید

بیاد مام وباب

تکیه بر زندگانی روا نیست — چرخ را رسم مهر و وفا نیست
چون حبابے نشسته بر آبیم — اعتمادے بدو فضا نیست

یکے را نبودم نہ دروست گیرم | دوے نیز نبود نگاہے بر آنم
یکے را ز شوقے کہ دارم بہ پیش | ازیں دست با دست دیگر ستانم
میان دو نارنج ہم رنگ و ہم بو | چہ فرق است آخر ندانم ندانم
کہ یک را فزون است ہم رنگ ہم بو | بہ پیش مشامم بہ دیدگانم
بہ پرسیدم احوال ہر یک از آں دو | کہ گوید از خویشتن داستانم
بہ پاسخ چنیں گفت نارنج اول | کہ من نازپروردۂ بوستانم
دگر گفت من نیز آیم ز بستاں | دگر بہترین بجوئی نشانم
مرا چیدہ زاں جائے دستے کہ دانی
فرستادۂ دست آں دستانم

زارع

پایندہ باش زارع بدبخت رنجبر
اے آں کہ زندگانی ما در بقاے تست
بدبخت خواندمت بخطا عذر من پذیر
خوش بخت زیر سایۂ ہمچوں ہماے تست
در نزد خلق اگرچہ گدائی و بے نوا
در چشم من تو شاہی و سلطاں گداے تست
یک دانہ زیر دست تو صد دانہ می شود

هر شاخه‌ای که روید از آن اژدهای تست

دانی که خوشه از چه سر افگنده بر زمین؟
شاکر تو می گذارد و اندر ثنای تست

از قحط و از غلا نشود کار خلق تنگ
تا مشکلات در کف مشکل‌گشای تست

نیکی بخلق می کن و امیدوار باش
فردای رستخیز که نیکی سزای تست

گر مردم از رضای تو غافل نشسته اند
خوشنودی و رضای خدا در رضای تست

جان حقیر من نه بود لایق نثار
ورنه ز روی صدق دل و جان فدای تست

شب مهتاب در کهسار البرز

فضا از نور مه چون روز روشن — فروزنده مه گسترده خرمن
تو گفتی آسمان طاقی بلند است — چراغ مه بر آن طاق است آون
دیا مانند اقیانوس آرام — مه تابان بسان "پرتو افگن"
همه سیارگان بر گرد آن ماه — درخشنده همه چون نوک سوزن
نژند و لاغر و پژمان و بیرنگ — چراغی را مثل کش نیست روغن

ثوابت چون هزاران شمع کم نور — که عمداً بر فروزی روز روشن
نیارم وصف آن شب کردن ایدر — فصاحت را بود حدّی معین
منوچهری اگر می بود میگفت — زبان من بود در وصفش الکن
چنان فرخنده شب را گر ببینی — همانا می شوی دیوانه چون من
بباید دیدن آن شب را که گویند — "شنیدن کی بود مانند دیدن"

مرا بیرون زنی در پای البرز — کنار چشمه ساری بود مسکن
گزیدم بر ستیغ کوهساری — چو کبکی بر سر سنگی نشیمن
ندانم کوه را امشب چه حال است — که اشک از دیده اش ریزد بدامن
خروشان است و گریان است خندان — گهی شادی نماید گاه شیون
برقص آمد در آنجا کلک بی جان — مرا زاینده شد طبع سترون
در آن مهتاب شب بر یاد ایران — شدم بر صفحهٔ کاغذ قلم زن

نگاهی کردم از بالا بپایین — وطن را دیدم اندر چه چو بیژن
شدم نومید و در نومیدی خویش — مرا آمد بدل یاد تهمتن
گذشته درس امیدی بمن داد — بدیدم در کران آینده روشن
شدم گویی بخواب اندر که دیدم — کشیده سیم بر خطهای آهن
ز دریای خزر تا بحر عمان — ز مرز هند تا سرحد ارمن
ز یک سو بسته دیدم سد کارون — ز دیگر سوی بس کاویده معدنها

چو از اندیشه سختی بازگشتم
نگاهی دیگر افگندم بمیهن
بطهران اندرون کردم نگاهی
بدیدم گلخنی بر جای گلشن

دکتر رضازاده شفق

بیاد پدرم

بگو با صبح مده پندم، گذشت از کار کار من
حدیث عشق گو یکسر که رفت از دست یار من

بروز بیکسی همسایهٔ من سایهٔ من بود
ولی آنهم ندارد طاقت شبهای تار من

خرد گوید توانا مرد باید زنده دل گردد
دریغا دل ربود از من عنان اختیار من

بخواب کودکی قدر صباوت را ندانستم
کنون بینم که خوابی بوده خوشتر روزگار من

بکاخ غم چو مرغ تیر خورده آشیان جستم
فغان کرد آشیان از ناله‌های بیشمار من

بہار عمر ایام جوانی بود صد افسوس
گل نشگفتہ پامال خزاں شد نوبہار من

کتاب عمر شرح جانکنی ہائے من و دل شد
گہے من در فشار دل گہے دل در فشار من

کنوں گمنام و بیخود زیستن خواہم کہ پنہاں شد
بہ زیر خاک پا، نام بخشش نامدار من

بیاد وصل تو بر کشور بیگانہ خو کردم
بامید رخت یارا صبوری شد شعار من

دمے وارستہ از امید و پندارت اگر بودم
گرفتار غم و رنجم نماید کردگار من

بروز ہجر تو دل با قرار وصل خوش کردم
چہ بد پیماں شدم افسوس بر من کہ قرار من

نہ بے مہری شعار تو، نہ غفلت پیشۂ من بود
ندانم ظلم تقدیر است یا ظلم دیار من

دلا رفتی و در ہجر تو دلداری از آں جویم
کہ بہر عشق رفت و مہر و دار و ندار من

صبا گر از دیار دوست سر جانش گذر کردی
بنہ بہر خدا برگ گلے روئے نگار من

ہمیں پروردگار من دل ما در بدست توست

دل ما در بدست تو حسین پروردگار من
الهی آتش عشقت فروزان تر شود هر روز
زعشقت بر نگردم گر بسوزد پود و تار من

بیاد برادرم

روزها تار و دل آزار شد اندر غم یار — تو که جانکاه دل آزار تری اے شب تار
مردم و مور و دد و دیو بشب آسایند — دل دیوانۂ ما بین بدل شب بیدار
پرسم از چرخ که تا چند بسوزد و خروش — پرسم از دهر که تا چند مرا بیند و کبدار
چرخ بیدل کند از دور اشارت که خموش — دهر بی عاطفه گوید بمرارت زنهار
تنگه غم دید دلم گشت بغم گوش بزنگ — این دل تنگ چه انگشت چنین زنگ شمار
ششدر بخت مرا مهره تقدیر گرفت — من بیچاره و چار غم زخم سه و چهار
سوی ویرانه شوم یا که پی پیر مغان — ره میخانه روم یا که به بندم زنار
یا که واروی شفا مسئلت از شیخ کنم — یا که از پیر طریقت بکنم استغفار
تا مگر باز نمایند معمای جهان — تا مگر رفع شود پرده ز روی اسرار
آن گل چهره که با خاطر خندان دیدم — گشته امروز خدایا ز چه مشتے گل خوار
آه اے یار که رفتی تو چنین ناهنگام — نوزاز عمر جوانی نشده بهره ردار
مگرت با من دیوانه نبود هی پیمان — این چه پیمان شکنی بود دلا اینچ قرار
یاد باد آنکه مرا با تو چه همدردی بود — هر دو بودیم همی همقدم و هم اسرار

کو در این ملک یکی چون تو رفیق صادق
تا که بی‌باک کنم درد دل خود اظهار

شده در کشور ما رسم صداقت متروک
شده دلها همه از مهر و محبت بیزار

از چه این گونه مرا ترک نمودی بیکس
وز چه ای یار مرا ترک نمودی بی‌یار

یاد ایام صباوت که چه خوش دوره بود
بود ما را هوس بازی طفلانه شعار

یاد ایام سرور و شعف نوروزی
سحر باد بهار و اثر باد بهار

آه بودیم چنان بی‌خبر از بازی چرخ
هیچ ما را نبد اندیشه ز چرخ غدار

بلبل افسانه همی خواند چه خوش در بستان
نی شنودیم چو پروانه چه خوش در گلزار

وچه زیبا پر و خوش رنگ به آن پروانه
که پی رامشگر گلبرگ نمودیم شکار

شاید این آتش غم از اثر آهش بود
که گرفته است کنون خرمن عمر من زار

یاد باد آنکه پس از دوره جوانی ما را
سر از اندیشه آزادی ایران سرشار

غم بیچارگی و شادی اقبال وطن
بود ما را هوس و مشغله لیل و نهار

آه از آن روز که شد با هم وطن خوار و پریش
زیر پای ستم دشمن شوم غدار

سر مردان هنرپرور ایران گردید
هدف کینه سرنیزه سرباز تتار

پس فزون گشت به یاران ستم گوناگون
کشته گشتند عزیزان وطن بر سر دار

چه بگویم ز شکنج و غم بیچاره پدر
چه کنم قصه ز رنج و محن مادر زار

از سر گفتن این قصه جانکن بگذر
شرح این حادثه شوم مپرس و بگذار

آه و افسوس ندانم که بگویم راز
من که از یار زبس خاک نه بینم آثار

دل خوش یاور خود باخته در دید امید
نیز بد چرخ بد و از سر خود چون به کنار

بس کن ای گشته دل اینهمه اندیشه خام
آخر ای خون شده دست از من بیچاره بدار

بی نی این مایه غم و یاس و فغان نیست روا — این جهان گذرانرا نبود هیچ انگار

پدر پیر فلک دیده ازین درد بسی — مادر گیتی هم مرگ جوانان بسیار

کس نسنجیده است درین مزرعه یک جو بی غم — کس ندیده است درین گلشن یک گل بی خار

لاجرم زیر سپهر گیتی گردان سر پست — گردش این فلک پیر تو بازی مشمار

کنه این مسئله را ره نبود فکر دقیق — غور این بحر رسیدن نتوانند هشیار

گرچه با خاک قرین گشت تن یار عزیز — هوش و جان و خرد و هش خاک نگردد هشیار

مهر و خوش گوئی و لب خنده جان پرور او — نغز گفتار و سخن سنجی و یار یک انکار

کرم و خوبی و اتفاق و وفاداری و صدق — بره عشق گذشتن ز خود و دار و ندار

این ز اوصاف و دان است که جاوید است — اثر نفخه جان است و ز انیست و بار

پس تو ای یار وفادار نگشتی نابود — گرچه از دیده نهفتی نشدی گرد و غبار

پس ازین در غم رحلت تو شکیبا گردم — در فراق تو بنجم و شیمه کنم صبر و قرار

روزها می شمرم در غم رحلت دایم — تا بیابان وصال تو رسم روز شمار

لیک گلی در چمن و دشت چو رو بید تنها — یا که بر شاخه گل نوحه سراید چو هزار

غم تنهائی و عشق تو بود در دل من — مکنم یاد تو نام تو نمایم تکرار

بر سر آب روان و سر گلشن چو رسم — روش و راز روان تو کنم استخبار

بیشتر انس ترا از دل مادر جویم — آن دل خسته و خون گشته ز رنج و تیمار

مهر و دلداری او پیشه کنم همواره — غم او را بدل خویش نمایم هموار

برو ای یار که فردوس مکانت بادا — باد همواره روان تو غریق انوار

گرچه زین نشه گذشتی و دل ما بردی — پس ازین نشه بود نشه دیگر ناچار

سید اشرف الدین الحسینی رشتی

شرح حال خود

گوش کن شرحی ز احوال نسیم / تا نمائی گریه بر حال نسیم

بنده در قزوین به دنیا آمدم / چندی از بهر تماشا آمدم

بد مرا یک پیر نورانی پدر / مادرم از عترت خیرالبشر

اشرف الدین کرد مادر نام من / ریخت شهد معرفت در کام من

رفت بابم سوی جنات النعیم / من شدم شش ماهه در قزوین یتیم

در یتیمی خانه ام را شیخ برد / ملک و مالم را ز راه غصب خورد

زاهدان این خانه ها را خورده اند / هستی بیچاره ها را برده اند

من شدم دیوانه از غوغای فقر / دربدر گشتم ز استیلای فقر

در جوانی با هزاران ابتلا / رفتم از قزوین بسوی کربلا

مدتی در کربلا و در نجف / معتکف بودم بصد وجد و شعف

بر سرم زد باز شور ملک جم / آمدم از کربلا سوی عجم

باز از قزوین بچشم اشکبار / جانب تبریز گشتم رهسپار

پیش استا خواندم اندر مدرسه / هیئت و جغرافیه و هندسه

صرف و نحو و فقه و تفسیر و کلام ،   جمله را یک دوره خواندم والسلام

در هزار و سی صد و بیست و چهار   چونکه شد مشروطه این شهر و دیار

کردم اینجا ای نسیم نظر را   قدر بخشیدم ز پویش مغز را

چون بطهران پارلمان تاسیس شد   جنگ جن با لشکر ابلیس شد

بعد چندے از تقاضاے زمان   شد حیاط پارلمان بمباردمان

گشته گردید با خوف و خطر   "صور اسرافیل" با خیلے دگر

در ولایات انجمنها بسته شد   در مجامع هم دهن ها بسته شد

سال غشکرز (۱۳۲۶) انبساط روح شد   بار دیگر پارلمان مفتوح شد

باز در گیلان هویدا شد نسیم   مرد و زن را روح بخشا شد نسیم

در هزار و سی صد و سی شاه روس   حمله ور گردید سوے ارض طوس

سال غشلب (۱۳۳۲) جنگ عالمگیر شد   شهرها بمبارده و تسخیر شد

منقلب گردید اوضاع فرنگ   غرق خون شد جمله اقطاع فرنگ

آتش اندر جان بدبختان فتاد ،   پادشاه روس از تخت اوفتاد

از هجوم بلشویک داد خواه ،   نیکلاء روسیه شد بے کلاه

قحطے سختی که صبر از دل ربود ،   در هزار و سی صد و سی پنج بود

در حساب ابجدی هم بے دروغ   ماده تاریخ قحطے شد شلوغ (۱۳۳۶)

در هزار و سی صد و سی هفت باز   باب رحمت شد بروے خلق باز

لیک دنیا باز درهم برهم است   در فرنگستان بساط ماتم است

گرچه از صلح می خواهند لیکن صلح نیست   کس نمیداند علاج کار چیست

شرح آن قحطی و آن رنج و عذاب
با اشاره درج شد در این کتاب

عاقبت ایران

میشود دنیا بکام اهل ایران ای نسیم
آفتاب معرفت گردد درخشان ای نسیم
می نماید شادمانی هر مسلمان ای نسیم
نور باران میشود این شهر طهران ای نسیم

از فضای لامکان باد بهشتی میوزد
دشمن اسلام از حسرت همی لب میگزد
بلبل قدس الهی بر سر گل می خزد
پهن می گردد بساط عیش عرفان ای نسیم

از معارف دور می گردد ز سرها وسوسه
کودکان مشغول تحصیل حساب و هندسه
میشود ایجاد در هر کوچه‌ای یک مدرسه
نقشهٔ جغرافیا در دست طفلان ای نسیم

مزرع بی آب دلها آبیاری میشود
چشمه‌های علم در این خاک جاری میشود
شیخها دق میکنند ظالم فراری میشود
مرد و زن لذت برند از علم و عرفان ای نسیم

مادران در تربیت مشهور دوران میشوند
کودکان در مدرسه با علم و عرفان میشوند
دختران از معرفت شیرین تر از جان میشوند
میشود هر کوچه‌ای پر حور و غلمان ای نسیم

بعد از این بیگانگان از مرحق گردند خویش
آب میشوند در یک چشمه با هم گرگ و میش
مؤمنین را هیچ کرهی نمی آید به پیش
میدهد روح القدس بر مردها جان ای نسیم

مردها از قبر برخیزند با وجد و سرور
یعنی امروز است بهر شیعیان یوم ظهور
باکفن بیرون جهند از مقبره اهل قبور
روشنائی افکند در سطح امکان ای نسیم

عقلها و روحها و مغزها یکسان شوند
وانکه این بیچاره حیوانها همه انسان شوند
از ظهور علم مشکلها همه آسان شوند
این نفاق و اختلاف آید به پایان ای نسیم

میشود دیو جهالت کشته در گودالها
خوار میگردند این بیکارها رمالها
میدهد تغییر (علم و عقل) بر احوالها
ساحر و جن گیر هم گردند پنهان ای نسیم

خاک محنت خیز ایران تاج دنیا میشود
عارفان را جای تفریح و تماشا میشود
اندرو هر علم و هر صنعت مهیا میشود
متصل میگردد این قزوین بگیلان ای نسیم

راه آهن میکشند آخر قطار اندر قطار
بس دگر قحطی نمی بیند درین شهر و دیار
آب شیرین میچشند این ساکنان شوره زار
هر گدا هم میخورد مرغ و فسنجان ای نسیم

در فرانسه جلوه گر گردد قد رعنای صلح
صیغه (مصالحت) میخوانند در امضای صلح
میشود دنیای کهنه بعد از این دنیای صلح
آمریک و انگلیس و روس و آلمان ای نسیم

شاعران ظاهر ز شهر و امغان خواهد شدن
گنجها پیدا ز خاک طالقان خواهد شدن
مغزهای کهنه مثل استخوان خواهد شدن
میشود دنیا بکام نوجوانان ای نسیم

غزلیات

ملک الشعرا بہار خراسانی

(۱)

شمعیم و وصل مشعله افروز دگر هیچ — شب تا بسحر گریهٔ جانسوز دگر هیچ

افسانه بود معنی دیدار که دادند — در پرده یکی وعدهٔ مرموز دگر هیچ

حاجی که خدا را بحرم جست چه باشد؟ — از پارهٔ سنگی شرف اندوز دگر هیچ

خواهی که شوی در هنر استاد زمانه — در مکتب دل عشق بیاموز دگر هیچ

روزی که وصالم به نگاهی بنوازند — از عمر حساب است همان روز دگر هیچ

زین رسته چه خواهی که ببین پیشه و دانش — گهواره ترا خشت و کفن دوز دگر هیچ

از مدرسه هرگز مطلب علم که اینجاست — لوحی سیه و چند بدآموز دگر هیچ

خواهد بدل عمر بهار از همه گیتی
دیدار رخ یار دل افروز دگر هیچ

(۲)

دلفریبان که بکابینهٔ جان جا دارند — مستبدانه چرا قصد دل ما دارند

دلبران خود همه هرجایی و بی صفت اند | ورنه در خانهٔ غیر از چه سبب جا دارند
نگه لطف است و خوشی نگه عتاب است عتاب | تا چه از این همه پلتیک تقاضا دارند

خوبرویان اروپا ز چه در سردی ما | حیله سازند گر اعجاز مسیحا دارند
گرچه در قاعدهٔ حسن سیاسات جمال | مسلک آنست که خوبان اروپا دارند
عاشقان را سر آزادی و استقلال است | که ز پلتیک سر زلف تو پروا دارند
صف مژگان ترا دست سیاسی است دراز | با نفوذ یکه معموره و دلها دارند
دل مسکین من از قرض یکی بوسه گذشت | با شروطی که لبان تو مهیا دارند
بهر قانون سیه ناز تو ای ترک پسر | در حدود دل یاران سر یغما دارند
این چه صلحی است که در داخلهٔ کشور دل | خیل قزاق اشارات تو ماوا دارند
بکمیسیون عرایض چه کنم شکوه ز تو | که همه حال من بیدل شیدا دارند
با توضیح دو چشمان تو قانع نه شویم | زانکه با خارجیان الفت و نجوا دارند
ور پناه سر زلف تو بهار سخنهاست | که در و هیئت دل مجلس شورا دارند
حکم فرمای که در محکمهٔ حسن و جمال | هرچه آن حکم تو باشد همه مجرا دارند
راز داران تو در انجمن سری دل | لطفی از رمز و بیان تو تمنا دارند
دل غارت شده در محضر عدلیهٔ عشق | متظلم شد و چشمان تو حاشا دارند
سخن تازه عجب نیست ز طبع تو بهار
که همه مشرقیان منطق گویا دارند

(۳)

تا بگنج لبت آن خال سیه رنگ افتاد | نافه را صد گره از خون بدل تنگ افتاد

آن نه خط است بر آن عارض پر نقش و نگار
زنگ محویست که در دفتر ارژنگ افتاد

سیب با این همه سیبان است که همرنگ تو شد
گشت نارنج ز غم زرد که نارنگ افتاد

در رهت چشم من از سفته بسفتاد سرشک
دیریست کار من از کار به بن سنگ افتاد

از دل گم شده خویش فرو بستم چشم
تا مرا دامن آن گم شده در چنگ افتاد

دائم اندر دل سخت تو نه کرد است اثر
ناله من که از او خون بدل سنگ افتاد

گرد چون عهده چنگ این غزل آهنگ به یاد
چنگ در دل زده با چنگ هم آهنگ افتاد

(۴)

اگر تو رخ نه کشائی ستم نخواهد شد
ز حسن و خوبی تو هیچ کم نخواهد شد

تو پاک باش و بدل آی بیحجاب بمن
کسی بعیب غزال حرم نخواهد شد

اگر بر آن سر است ماهرو که روز مرا
کنی سیاه بزلفت قسم نخواهد شد

گرم زنی چو قلم بند بند از سر من
ز بند گشت جدا یک قلم نخواهد شد

رقیب گفت بهار از تو سیر شد هیهات
بحرف مفت کسی متهم نخواهد شد

(۵)

ای نرگست بخلق در فتنه باز کن
وی سنبل تو دست تطاول دراز کن

چشمانت را اجازه بود از دیدن رقیب
[illegible]

الفت چگونه دست دهد بین ما و شیخ
با کی به حقیقت و این مجاز کن

یا در درون میکده صهبا بجام ریز
شیخ از درون صومعه بیرون دل باز کن

با دشمنان ز ترس دم از دوستی زدیم   چون ملحدی بخاطر مردم نماز کن
کار بهار و یار بدور اوفتد که هست
دایم بهار ناز کش و یار ناز کن

آقای حبیب یغمائی

(۱)

تبه کردم جوانی تا کنم خوش زندگانی را
چه سود از زندگانی چون تبه کردم جوانی را

بود خوش بختی اندر سعی و دانش در جهان اما
در ایران پیروی باید قضای آسمانی را

بقطع رشتهٔ جان عهد بستم بارها با خود
بمن آموخت گیتی سست عهدی سخت جانی را

بجوید عمر جاویدان هر آنکه همچو من بیند
بیک شب تا سحر فراق اندوه عمر جاودانی را

کی آگه می شود از روزگار تلخ ناکامان؟
کسی کو گسترد هر شب بساط کامرانی را

بدامان خون دل از دیده افشاندن کجا ماند؟

بساغر آنکہ می ریزد شراب ارغوانی را
مذاقت تلخ تر از صبر بودے چون مذاق من
تو ہم اے ناصح ار دیدی آں شیریں زبانی را
وفا و مہر کے دارد حبیبا آنکہ می خواند؟
باسم اہلی رسم وفا و مہربانی را

(۲)

زیں سپس باید کہ در راہ عمل زد گامہا
واندر آں رہ کرد اندر ہر قدم اقدامہا
شام جمعے ہمچو صبح و صبح قومے ہمچو شام
وائے گر ماند بجا ایں صبح ہا ایں شامہا
کامرانی نیست مخصوص گروہے خود پرست
کام خود زآناں گرفتن باید اے ناکامہا
آنکہ خون رنجبر را ہمچو مے در شیشہ کرد
کرد خونش را بباید ہمچو مے در جامہا
اختیار حبس و اعدام کساں در کف نگر
ناکسانے را کہ باید حبس ہا اعدامہا
مالک و دہقاں غنی و بے نوا شاہ و گدا
محو باید کرد از روئے زمیں ایں نامہا
یک طرف تسبیح بنگر یک طرف تحت الحنک

شیخ را باشد براستی صید احمق دامہا

تا یکے تقلید سبک دیگراں بایست ریخت

طرحے از نو ہمچو طرح خواجہ باخستہا

(۳)

ز انقلابے سخت جاری سیل خوں بایست کرد

ویں بنائے سست پیچ را سرنگوں بایست کرد

از براے نشر آزادی زباں باید کشاد

استجاعیتوں عالم را زبوں بایست کرد

تاکہ در نوع بشر گردد تساوی برقرار

سعی در الغاء القاب و شئوں بایست کرد

ثروت آنکس کہ می باشد فزوں باید گرفت

وانکہ کم از دیگراں دارد فزوں بایست کرد

منزل جمعی پریشاں مسکن قومی ضعیف

قصرہاے عالی اشراف دوں بایست کرد

ہرکہ پا راز پیت و تسبیل شود بایست کشت

آرے از تن خون فاسد را بروں بایست کرد

(۴)

در مسیر پایہ مرد چوں چرخ برین باشد

در دست نزاد این قدر در زیر زمین باشد

در مذهب من بدنام بهتر بود از گمنام
بهتر ولی این از نیست شیطان لعین باشد

در بحر فنا باید چون خس تنک پوستے داشت
در قعر فتد ناچار آن در که وزین باشد

زین زندگی یک شکل افسرده دلم اے کاش
یا بهتر ازین گردد یا بدتر ازین باشد

شاید که ضعیفان را اوضاع شود بهتر
در گیتی اگر جبری دستور لعین باشد

وضع غنی و درویش آن به که شود تبدیل
یک چند چنان می بود یک چند چنین باشد

اشعار حبیب ار نیست مطلوب بود معذور
کے شعر تر انگیزد خاطر که حزین باشد

(۵)

زیاران هر که یارش مهربان تر — از او نبود بگیتی کامران تر
همه مه طلعتان نامهربانند — وز آنها ماه من نامهربان تر
تمام دلبران شیرین زبانند — و لے دلدار من شیرین زبان تر
بهائے بوسه دادم جان و شادم — که جان از بوسه اش نبود گران تر
گرانسانی بجز می آنکه گفتند — کند می آنچنان را آنچنان تر
جوانی خوش بود گر بگذرانی — بوصل دلبرے از خود جوان تر

اگر از کار دانی بہ سر بردی بکوش از جاں کہ گردی کارداں تر
وگر گشتی توانا تر مکن جور مباش ایمن ز خشم ناتواں تر
باستادی عیبت می شناسد
ازیں اشعار اگر گفتی رواں تر

آقائے ناصرالدین خاں سالار شیرازی

(۱)

نرگس قبائے سبز بر استادہ است
در سیم گوں طبق قدح زر نہادہ است

افگندہ سر بزیر ز شرم رخت ولے
چشمان شوق پیش و چشمت گشادہ است

سنبل صفت بنفشہ ز بوئے ز بوئے تو
گشتہ است بیقرار و بیخود تا بہ ادہ است

از لالہ پر شدہ است تو کاسہ لالہ را
یا بزم دوست آقدحے پر ز بادہ است

آوردہ بید مشک بشارت چو از بہار
بر پائے بوس سبز و بپائش فتادہ است

آب است یا بلور درخشاں کنار رود
یا چو بیادہ با ہمہ پر سیم سادہ است

گلبن کہ مادر است گل سرخ باغ را
ہرگز گلے بخوبی رویت نزادہ است

سالار تا کہ مات رخ نازنین تست
بس شہسوار شعر کہ پیشش پیادہ است

(۲)

کله نهاد بفرق و برخ نقاب گرفت — حجاب ابر ز رخسار آفتاب گرفت

گشود چهره علی رغم مدعی از خلق — خطاگیر برا و کورد صواب گرفت

فگند چادر ظلمت بجلوه شد طاؤس — تذرو من ز بدن هیئت غراب گرفت

بپیچ گیسوی پیچون کند را بی حیا — گلوی شیخ ریا را ز غم طناب گرفت

نکرده سرخ لب از غازه بهر آرایش — ولی ز خون دل ما لب خضاب گرفت

از آن نگرد بیاراید آفتاب جمال — که چشم مردم بیند ز جلوه تاب گرفت

عرق نبود که از روی پاک پاک نمود — ز برگ نازک گل قطره گلاب گرفت

نخواست شربت شیخ ریا به مجلس وعظ — بسوی بزم شد و ساغر شراب گرفت

هر آنکه بود چو سیمرغ گوشه عزلت — چنان ربود که گنجشک را عقاب گرفت

کنونکه خطه طهران از آن بود آباد — که گفت گنج روان جای در خراب گرفت

عجب مدار که همراه او رود سالار — در آن میان اسیران بانتخاب گرفت

کسی که دید غزلهای شاعر شیراز
هزار نکته باستاد فاریاب گرفت

(۳)

چو به مسجد خبری نیست کلیسا برویم — طلبگاری آن دلبر ترسا برویم

حرف حق را همه منصور صفت باید گفت — گرچه بر دار از آن گفته چو عیسا برویم

دوستان را چو از دشمنی و حیله چه نیست — به کز ایشان به پناه در اعدا برویم

لن ترانی شنوم گر بتمنا صد بار — باز بهر لیش ارنی گوی چو موسا برویم

زن و فرزند و اقارب نبود یار سفر
من و دل هر دو درین بادیه تنها برویم

(۴)

بی سهی قد تو ای سرو خرامان چکنم — بی مه چهر تو ای مهر درخشان چکنم
دیده گیرم که گرفتم ز تماشا گه حسن — عاقلان با دل دیوانه نادان چکنم
همه آفاق درو صاف تو حیران مانند — من تنها نشوم گر من حیران چکنم
قبلهٔ کافر و مومن بنماید دوست که من — بی رخ و زلف تو با کفر و با ایمان چکنم

شعر من چون شکر و شور بسر چون فرهاد
بی تو شیرین سخن ای خسرو خوبان چکنم

(۵)

هجر آزرد مرا فکر وصالی کردم — شادمان خاطر خود را بخیالی کردم
در ره وصل تو پای طلب از سر سازم — اگر از دست فراق تو مجالی کردم
وصل تو گرچه دروغ است چو دل خوش است ز من — وعده دادم از او دفع ملالی کردم
گریه این نیست پی شستن چون دل هست — اگر از دیده روان آب زلالی کردم
حال دل را ز غم عشق تو خواهم بتو گفت — اگر از دست ستم های تو حالی کردم
هر کسی شیفته چیزی و من چون سالها — خویش را شیفته حسن و جمالی کردم

یک زمان بود به نخچیر شکارم همه شیر
حالی از هر غزلی صید غزالی کردم

(۶)

در کیش من از ذکر صمد فکر صنم به — میخانه به آئین من از دیر و حرم به

از سنبل و از سبزه و از سوسن و سوری — ریحان خط او که بخوبی است رقم به

شادند رقیبان ز جدائی من از دوست — هر دل که ازین غصه بود شاد ز غم به

هر نے که درو نالهٔ از عشق نباشد — هر بندے ازو گر شود از تیغ قلم به

جز از لب لعلت هوس بوسه ندارم — حاجت چو بری بر در ارباب کرم به

حق نمکی با لب شیرین توام هست — خادم که شناسد نمک از جنس خدم به

بر خلق ستم هست اگر روے بپوشی — برداشتن از خلق جهان رسم ستم به

طاوسی و بر تن چه کشی جلد غرابے — طاوس کند جلوه ز سر تا به قدم به

باید که ز تازی برمی آهوے شیراز — وے پارسی از شیخ عرب شوخ عجم به

دینار و درم گر بودت بذل صنم کن — وصل صنم البته ز دینار و درم به

نه تاج بجا باشد و نے تخت ز جمشید — بس جام مے پیش من از کشور جم به

از این نعمت که خدا داد بسالار
شد نعمت وصل تو ز انواع نعم به

(۷)

بوسه ای ز لعلم داد آن نگار روحانی — دست اهرمن افتاد خاتم سلیمانی

در شکنج گیسویش با دل شوم ار جمع — مو بمو بیان سازم شرح ایں پریشانی

ترک چشم خونریزش غارت دل و دین کرد — کفر زلف هندویش برده مسلمانی

دوش ذکرے از زلفش شد بحلقهٔ رندان — تا سحر نشد کوتاه آں حدیث طولانی

بی تمیزی اعیان کرده روز ما چون شب — ورنه بد چو صبح روشن روزگار ایرانی
دفتر کیان برخوان شوکت عجم میدان — رفعت مکان بنگر بر بعهد ساسانی
مصر مملکت در چاه همچو ماه کنعان است — در غمش وطن خواهان همچو پیر کنعانی
اتحاد با آلمان بهر ما زیان دارد — سود باشد ار گردی دوست با بریطانی
ملک میرود از دست کن سعی و جهدی کن — وقت را غنیمت دان آن قدر که بتوانی

گفت این غزل سالارا بوجد و شوق آید
روح حافظ و سعدی انوری و خاقانی

(۱)

ای که گفتی در جهان هرگز گلی بی خار نیست
هان گل بی خار ما را بسکه در گلزار نیست
در غم یاران جلفا و کنار زنده رود
روز و شب ما را بغیر گریه دیگر کار نیست
پشت ما شد خم ز بار غصه و اندوه و غم
درد بسیار است لیکن جرأت اظهار نیست
با که گوییم داستانهای دل پر درد خویش؟

یک وفا کیشے کہ باشد محرم اسرار نیست

با چنین وضع خراب و کجرویہاے فلک
کو کسے کاکنوں ز عمر خویشتن بیزار نیست؟

از پے نفرین اعداے ستمگار دغل
شب بغیر ما و مرغ حق کسے بیدار نیست

در حقیقت مفسدتہاے کراوت و فکل
کمتر از نعلین شیخ و خرقہ و دستار نیست

(۲)

دلم چون زلف بت نامہربان است — کہ با ما دایما او سرگران است
اگرچہ ساکن کرانم اما ، — تمام فکر من در اصفہان است
بسان زندہ رود از دوری یار — مدام اشک از دو چشم من روان است
ز بس دل تنگم آں بہتر نپرسی — کہ احوال خراب ما چسان است
تو گوئی از ازل شد بہرہ ما — ہر آنچہ غصہ و غم در جہان است
نمیدانم چہ شد کاندر جوانی — بہار عمر ما ہمچون خزان است؟
خرابی از دل تنگم عجب نیست — کہ گنج غم بکنج دل نہان است
ہر آں ذلت کہ آمد بر سر ما — بعالم جملہ از دست زبان است
مدام از گردش ایں چرخ کجرو ، — ہر انگشت حیرت بر دہان است

مزن دم از وفا و از محبت ،
کہ دنیا فاقد ہم این و ہم آن است

(۴۲)

رفتی و در فراق تو ما را قرار نیست
ما را شبانه روز بجز گریه کار نیست

رنجیده ام چنانکه ز غم بس ستم که جفای چرخ
بدبخت کس بسان من غمگسار نیست

شام فراق و در غم هجران عارضت
گریان چو دیدگان من ابر بهار نیست

از چیست هان که بلبل بیچاره را بباغ
بهره بجز تمسخر گل طعن خار نیست

رو در چمن دمی بریاحین نظر نما
بنگر که لاله چون دل من داغدار نیست

از دست روزگار جفا پیشه الامان
گویا علاج و چاره بجز انتحار نیست

غیر از جفا و کینه و ظلم و فساد و بغض
از مردمان دون جهان انتظار نیست

کم کن فغان و ناله سعادت ز چرخ دون
کامید مهر از فلک کج مدار نیست

(۴۳)

مطرب امشب مرخوش است و طرز دیگر میزند

نیک بخت آنکس که با محبوبه ساغر میزند

در غم آن خسرو شکرلب و شیرین دهان
هر که چون فرهاد باشد تیشه بر سر میزند

دلبرا بینم ترا هر گه به بزم دیگران
موج غیرت بر تنم گوئی که نشتر میزند

چون دهم شرح فراقت زانکه نوک خامه ام
آتش اندر آمد و اوراق دفتر میزند

پیش وی گردد بسان روبهی شیر فلک
چون بطی رعنا بتم خون کبوتر میزند

موی واعظ شد سپید از حرص و باز آن بدنیا
ایستاده آن در برای زر اگر میزند

داد باید سر براه آن که با دست تهی
پشت پا بر ملک دارا و سکندر میزند

شب رود در خانهٔ خمار در روز العجب
شیخ لاف مسجد و محراب و منبر میزند

آتشم بر جان فتد هر گه که بیند مدعی
بوسه بر لعل لب میگون دلبر میزند

بر فراز عارضت زلفت تو باشد فی المثل
همچنان ماری که روی گنج گوهر میزند

عصر تحت البحری و طیاره و ماشین و ریل
شیخ ما من باب جنسیت دم از حریم میزند

می کند جمع پریشان روزیار را هم سیاه
شانه تا بر جعد مشکین معنبر میزند

تا سعادت زد دم از شهد لب دلدار خویش
شعر وی صد طعنه بر قند مکرر میزند

(۵)

خدا را تا یکی در شهر کرمان | گرفتار غم و اندوه و حرمان؟
شود سیل سرشکم زنده رودی | کنم چون یاد یاران صفاهان!
دلم را برده بی مهری که باشد | فروغ عارضش چون ماه تابان
نگردد شام هجران در همه عمر | بدنیا روزی گرگ بیابان
بیا و طرهٔ مشکین دلبر | مدام احوال ما باشد پریشان
طبیب حاذقی کو تا بجوید | بدرد عاشقان محنت درمان
ز هجر عارض گلگون دلدار | سرشکم گشته چون ابر بهاران
شعار عاشقان درد هر این است | که تا جان را کنند ایثار جانان
سحرگه در چمن این نغمه سر کرد | فراز شاخ گل مرغ خوش الحان
جلال و حشمت گیتی بقایی | نگردد بی لقیصری سبحانها
بزن مطرب نوایی از سر شور | باواز همایون شعر بخوان

و میرزا نیشه منصور دم نیسته

بدم روحے ز حکمت در دل و جاں

(۶)

مدام از دست آں ترک تتاری — فشانم اشک چوں ابر بہاری

نمیدانم چرا آں لعبت شوخ — بود از عاشقان خود فراری؟

بہ پیش تیر آہم رستم آسا — کند او دعوے اسفندیاری!

زند ہر دم ز نوک مژۂ خویش — بہ قلب من ہزاراں زخم کاری!

ز ظلم و جور آں شوخ جفا جو — کنم تا چند و تا کے بردباری؟

چہ باید کرد کاں عیار با ما — چو دنیا می کند ناسازگاری!

نمیداند کہ در عشق و محبت — بود بار ثبات و پافشاری

بیاد آں گل سوری دمادم — بود گلگوں سرشک از دیدہ جاری

شدہ در بوستاں مہر از اول — نصیب ما و لالہ داغداری!

ببزم دوستاں شرمندہ ماندم — خدا سازد سیہ روے تتاری

نباید شکوہ از گردون دوں کرد — کہ گردیدہ سمر در کجمداری

صبا از ما بگو با خیل یاراں — اگر در ملک طہراں مے آری

بیا گر دیدۂ بسیارے فجایع — ز دست گلرخان لالہ زاری

سحر گہ چوں شدم از خواب بیدار — شنیدم از نسیم جویباری

برو ایرانیاں کن شکر ایزد — کہ با تو کردہ اینک بخت یاری

اگر دیروز ایماں بود ویراں — ز افشار و بلوچ و بختیاری

در انظار اجانب خلق ایراں — سراسر سر بزیر از شرمساری

بحمد الله که شد ایران منظم — زمین جد و جهد شهریاری
شهنشاه بزرگ پهلوی آنک — بر او ختم آمده ایران مداری
حقیقت وضع کشور گشته امروز
ز هر سو باعث امیدواری

آقای محمد جواد شباب کرمانشاهی

(۱)

هر بنده را که داور یکتا کمال داد — فرخنده نعمتی که ندارد زوال داد
مال و منال زینت دنیا بود ولیک — شاد آن کسی که زیب وجودش کمال داد
عقل و کمال زینت مرد است هر که را — ایزد گر این دو داد نکوتر خصال داد
هشدار تا جهان نفریبد ترا بمال — گو خود فریب نوع بشر را بمال داد
دنیا و نعمتش چو ظلال آمد و خیال — عاقل چگونه دل بظلال و خیال داد
قتّاله ایست دلبر دنیا که با فسون — عشاق را فریب بحسن و جمال داد
بر پشت نفس بار ملامت نمود حمل — کو دل بدین عجوزه خوش خط و خال داد
زنهار زین عروس که هر لحظه با کسیست — نپذیر دستی ار بتو وعده وصال داد
بی خاطر مکدّر و بی رنج جان و تن — کس را نه قرص نان و نه آب زلال داد
بالیزبان دهر ز جالیز خود بکس — هرگز نداد میوه اگر داد کال داد

از بن برادر ریشهٔ آمال کایں درخت — دهقان خویش را ثمر آخر ملال داد
مست از مے غرور مشو زانکه ایں شراب — هر کس چشید عاقبتش انفعال داد
کنج کفاف جوے و قناعت که هر که یافت
او را نتیجه هاے نکو بالمآل داد

(۲)

خلق اگر در عید قرباں بره قربانی کنند
عاشقاں جاں بر رخ جاناں بآسانی کنند
در بر عشاق جاں باشد متاعے بس سبک
کافرند ار یار خواهد جاں گرانجانی کنند
دیده و دل هر دو جاے تست پسند از وفا
کایں دو جا از گریه و غم رو بویرانی کنند
بر رخ روشن پریشاں تیره زلفت را مکن
تا به پیشانی کم اظهار پریشانی کنند
گر تو لیلی وش نه رخ برقع براندازی یقیں
همچو مجنوں خویش را جمعے بیابانی کنند
بر سخنداناں روا باشد ملامت مهر را
بارخت تشبیه اگر از روے نادانی کنند
یوسف مصر جمالی در فراقت عیب نیست
عاشقاں گر گریه همچو پیر کنعانی کنند

خاتمے از لب ترا باشد کہ بر او خسروان
دست اگر یابند دعوی سلیمانی کنند

هندوی آتش پرست خال و چشم کافرت
ترسم آخر رخنہ در دین مسلمانی کنند

با خیال چشم بادامیت مرتاضان، همی
قوت خود بادام را در ترک حیوانی کنند

شکرین لعل ترا شأنیست کز بیدانشیست
گر کسان تشبیہ با یاقوت رمانی کنند

(۳۲)

چنانکہ ابر و گل اندر بہار گرید و خندد
دل من و لبت اے گلعذار گرید و خندد

بہ بینوائی فصل خزان و شادی گل
شگفت نیست گر ابر بہار گرید و خندد

دلم البتہ گر از درد یار وگہ با امیدی
کز آن نگار شود کامگار گرید و خندد

ز ہجر یار و بہ بدعہدی جہان پس مردن
روان پاک من اندر مزار گرید و خندد

بدار اگر بکشندم بجرم عشق حبیبم
بپایداری من پاے دار گرید و خندد

کسے کہ ہمچو منش با پری بود سر الفت
یقین شناب کہ دیوانہ وار گریہ و خندد

(۴)

اے دل امشب انتظار وعدۂ دلدار دار
کم تو نیز آخر سرشک از دیدۂ خونبار بار

سینہ سینا شود بزم من آں رشک پری
بر فروزد گر در او از چہر چوں گلنار نار

نرگس بیمار وے با مار زلفش خو نمود
کے شنیدستی کہ گیرد الفت بیمار مار

میزند نیشم بدل از مژہ آں غمخوار دل
وائے بر دل منجلہ برگشتے چو از غمخوار خار

خلق گویندم چرا ہوش تو از سر کردہ رم
برد عقل و ہوش و دانش از من آں ہشیار یار

تارے از زلفش صبا با خود بتاتار برد
روز را سازد بچشم مردم تاتار تار

بے گل رخسار آں گلزار خوبی دائما
با فغان و نالہ ام چوں مرغ در گلزار زار

لعبتان ماہ منظر گرچہ در فرخار ہست
ہست پیش دلبر من لعبت فرخار خوار

ماه من عنبر فروشاں را ہمی ماند شباب
زانکہ بردوششش بود از زلف عنبر بار بار

(۵)

دانی اندر سر سودائے تو چوں شد دل من
خوں شد از دست تو وز دیدہ بروں شد دل من

طائرے بود ز صیاد گریزاں عجبم
کہ سرانجام گرفتار تو چوں شد دل من

داد بر دم ہمہ جا ہیچ کسم داد نہ داد
تا کہ در سینہ ز بیداد تو خوں شد دل من

من کجا بادیہ پر خطر عشق کجا
بچنیں راہ مرا راہ نموں شد دل من

مہر افزاست خط سبز تو چوں مہر گیاہ
مہر از آتش بتو ہر لحظہ فزوں شد دل من

خال چوں نقطہ نون تو بہ رخسارہ چہ دید
سبب آں گشت کہ چوں حلقہ نون شد دل من

گر شباب از تو جدا نیست ز ہمی آرامش
جرم من نیست کہ بے صبر و سکوں شد دل من

(۶)

با دیدہ دلم می گفت اشک از تو آہ از من

آگاہی او شرط است خواہ از تو خواہ از من

چاہ از ہمہ زین سان است کو را بہ زنخدان است

یا یوسف مصری گو تخت از تو و چاہ از من

تن سستی و جاں سختی اے آفت جان و تن

آموختہ اند این دو کوہ از تو و کاہ از من

حربا اگر اندر عشق خورشید پرست آمد

من ماہ پرستم گو مہر از تو و ماہ از من

گویند ز دل راہ ست در دل بجہم این دل

کاندر دل سختش نیست راہ از تو و آہ از من

بر ملک وجود من چوں بادشہے بنشیں

بر دیدۂ تو اینک پا از تو و گاہ از من

در بازی عشق تو مغلوب شباب آمد

زاں روے کہ می باشد آسن تو و شاہ از من

(۷)

روے نیکت را نگویم اے پسر خورشید و ماہ

زانکہ زد پیغارہ رخسار تو بر خورشید و ماہ

روشن از نور رخ تو شام تار عاشقاں

حاش للہ کے بود این نور در خورشید و ماہ

مردگاں را زندہ جاوید سازد دیدنت

اے مسیحا دم ندارند این اثر خورشید و ماه

اے سپہر حسن ہر جا پا بگذاری بخاک،
فخر را سایند بر آں خاک سر خورشید و ماه

بام تا شام ار برافروزی رخ رنگیں ببام
روے ننمایند از مشرق دگر خورشید و ماه

سنبل و ریحان و عبہر با شدت بر رخ کہ دید
سنبل و ریحان و عبہر ہیچ در خورشید و ماه

لاف در میداں زند حسن تو گر بر آسماں
تیغ ابروے ترا آرد سپر خورشید و ماه

فرق بردار از میاں زلف سیہ بر رخ منہ
تا نباشد آیت شام و سحر خورشید و ماه

تا دہند آوازۂ حسنت بگیتی انتشار
چوں سفیرانند دائم در سفر خورشید و ماه

از نظربازان تو دیگہ کسے آرد در نظر
گر بود در سلک ارباب نظر خورشید و ماه

لائق نسبت نباشد ار چہ چشم دل ندید
تا دہد نسبت بتو چیزے مگر خورشید و ماه

دل بمعنی داد بایدنے بصورت در جہاں
ہست روے نیک تو معنی صور خورشید و ماه

منع نتواں کرد شاں دیدند رخسارت اگر
چوں پری دیدہ شدند آسیمہ خورشید و ماہ
آسماں شاید مرا خوانند تا تو با منی،
زانکہ ہمچو آسماں دارم بہ بر خورشید و ماہ
چوں مقابل با رخت آمد شتاب از آں بود
شد ردیف چامۂ نغزش اگر خورشید و ماہ

فصیح الملک حاجی محمد تقی شوریدہ شیرازی

(۱)

آں پری رو از درم روزے فراز آید؟ نیاید!
من ہمی خواہم کہ عمر رفتہ باز آید؟ نیاید!
پیش از آں کایام درپیچد بہم طومار عمرم،
نامۂ از کوے یار دل نواز آید؟ نیاید!
بر سر من سایۂ آں آفتاب افتد؟ نیفتد!
درکف من دامن آں سرو ناز آید؟ نیاید!
ہیچ از سوداے آں گیسو نیاید بوے سودے!
بوے سودے ہیچ از امید دراز آید؟ نیاید!

طفلِ اشکم گفت بر رخ رازِ عشقم را بمردم
طفل ہرگز در شمارِ اہلِ راز آید؟ نیاید!
تا نہ بیند آہ من برہمن دلش سوزد؟ نسوزد!
سنگ تا آتش نہ بیند در گداز آید؟ نیاید!
عقل آں نیرو ندارد کو بگرد عشق پوید،
صعوہ ہرگز در مصافِ شاہباز آید؟ نیاید!
ایں ہمہ سازم بناسازی دورِ چرخ آخر،
اخترِ ناسازِ من با من بساز آید؟ نیاید!
از ہوائے خطّہ لے و زنہادِ مردمِ وے
بوئے از شیراز علّیین طراز آید؟ نیاید!
عاشقِ شوریدہ را در دل نباشد غیر جاناں
در دلِ محمود جز یادِ ایاز آید؟ نیاید!

(۲)

ہرچہ کنی بکن مکن ترکِ من اے نگارِ من
ہرچہ بری ببر مبر سنگدلی بکارِ من
ہرچہ کشی بکش مکش بادہ ببزمِ مدعی
ہرچہ خوری بخور مخور خونِ دلِ فگارِ من
ہرچہ دہی بدہ مدہ زلف بباد اے صنم
ہرچہ نہی بنہ منہ دام برہگذارِ من

هرچه بری ببر مبر رشتهٔ الفت مرا
هرچه کنی بکن مکن خانهٔ اختیار من

هرچه هلی بهل مهل پرده ز رخ چون پری
هرچه دری بدر مدر پردهٔ اعتبار من

هرچه روی برو مرو راه خلاف دوستی
هرچه زنی بزن مزن طعنه بروزگار من

هرچه کشی بکش مکش صید حرم که نیست خوش
هرچه شوی بشو مشو تشنه بخون زار من

(۳)

چون چشم او دو ترک کماندار دیده‌ای — چون زلف او دو طرهٔ طرار دیده‌ای
در چرخ هیچ دیدی ماه پرند پوش — در باغ هیچ سرو کله‌دار دیده‌ای
ماهی بدین طراوت عارض شنیده‌ای — شوخی بدین حلاوت گفتار دیده‌ای
جز زلف او که گشته ببالای او نگون — از شاخ سرو مشک نگونسار دیده‌ای
جز چشم او که خاطر ما را بغمزه خست — خنجر بدست مردم بیمار دیده‌ای
گوئی خط و رخش بچه ماند بدین جمال — در یک طبق بنفشه و گلنار دیده‌ای
در تار زلف اوست مقید هزار دل — در یک رسن هزار گرفتار دیده‌ای
چون این شگرف در همه گیتی شنیده‌ای — چون این بهار در همه گلزار دیده‌ای
چون این جمال در همه کشمیر بوده هیچ — چون این نگار در همه فرخار دیده‌ای
رضوان خلد کاش بدی تا نش گفتمی — حوری بدین ملاحت رخسار دیده‌ای

ماند زخش بقد گل پر بار را بسرو   بر سرو اے عجب گل پر بار دیدہ

غافل چنیں ملامت شوریدگاں مکن

آں جلوہ ہائے وے پری وار دیدہ

(۴)

تو مرا جانے بجاں داری و پیداست کہ داری

در دل و دیدہ مکاں داری و پیداست کہ داری

لالہ در غالیہ پوشی و پیداست کہ پوشی

ماہ بر سرو رواں داری و پیداست کہ داری

ننگری سوئے کس از نخوت ایں طرفہ کہ ہر سو

فرقہ را نگراں داری و پیداست کہ داری

کردہ با خم ابروئے قرین غمزۂ جادو

طرفہ تیرے بکماں داری و پیداست کہ داری

روئے زیبا بدو صد پردہ نہاں داری و لیکن

بدو صد پردہ نہاں داری و پیداست کہ داری

دہنت ہیچ نہ پیداست ولے گاہ تبسم

عقد لولو بدہاں داری و پیداست کہ داری

از میانت اثرے نیست عیاں لیک بہر سو

ز دو صد فتنہ بمیاں داری و پیداست کہ داری

نکنی چشم بشوریدہ و پوشیدہ چہ گویم

چشم بر شاہ جہاں داری و پیدا ست کہ داری

(۵)

روے بنمائی و دل از من شوریدہ ربائی
تو چہ شوخی کہ دل از مردم بے دیدہ ربائی
حسن گویند کہ چوں دیدہ شود دل برباید
تو بدیں حسن دل از دیدہ و نادیدہ ربائی
خاطر خلق بدیں روے پری دار ستانی
طاقت جمع بدیں موے پریشیدہ ربائی
آنکہ او را نتواں دل بدو صد شیوہ ربودن
تو بدیں روے خوش و خوے پسندیدہ ربائی
ہمچنیں لعل لباں پیش درخت گل سوری
گر بخندی تو دل از غنچہ خندیدہ ربائی
دگر از چہرۂ تابان تو در دست دل من
نیست باقی کہ بداں گیسوے تابیدہ ربائی
تو کہ خود فاش توانی دل یک شہر ربودن
دل شوریدہ روا نیست کہ دزدیدہ ربائی

میرزا ابوالقاسم عارف قزوینی

(۱)

لباس مرگ بر اندام عالمی زیباست
چه شد که کوته و زشت این قبا بقامت ماست

بیار باده که تا راه نیستی گیرم
من آزموده ام آخر بقای من فناست

گهی ز دیدهٔ ساقی خراب و گه از می
خرابی از پی هم در پی خرابی ماست

ز حد گذشت تعدی کسی نمی پرسد
عدو و خانهٔ بی خانمان ما ز کجاست

برای ریختن خون فاسد این خلق
خبر دهید که چنگیز پی خجسته کجاست

بگو به هیئت کابینه سر زلفش
که روزگار پریشان ما ز دست شماست

چه شد که مجلس شوری نمی کند معلوم
که خانه خانهٔ غیر است یا که خانهٔ ماست

اگر بحالت عهد سلیمان پی برد شیطال

(۵)

هر وقت ز آشیانه خود یاد می کنم — نفرین بخانوادهٔ صیاد میکنم

یا در غم اسارت جان میدهم بباد — یا جان خویش از قفس آزاد میکنم

شاد از فغان من دل صیاد و من بتیر — دل خوش که یک دلی بجهان شاد میکنم

جان میکنم چو کوهکن از تیشهٔ خیال — بدبختی از برای خود ایجاد میکنم

من بی خبر ز خانهٔ خود چون پرندهٔ — بهر درے که مملکت آباد میکنم

شاید رسد بگوش معارف صدای من

زان است عارفا این همه فریاد میکنم

(۶)

محیط گریه و اندوه و غصه و محنتم — کسی که یک نفس آسودگی ندیده منم

منم که در وطن خویشتن غریبم و زین — غریب‌تر که هم از من غریب‌تر وطنم

بهر کجا که قدم می نهم گشوده نیش — دچار دزد و داری اهرمن اهریمنم

طبیعت از پی آزار من کمر بسته — کنم چه چاره چو دشمن خویش است هم تنم

نهال عمر مرا میوه غیر تلخی نیست — بهای آن سرم گر تن از تیغ را از بن بکنم

چو شمع آب شدم بسکه سوختم فریاد — که دیگران نه نشستند پای سوختنم

چو گشت محرم بیگانه خانه بدر گویم — کفن بیار که نامحرم است پیرهنم

بگو بیوه که اندر پی هلاک من

دگر مکوش که خود در هلاک خویشتنم

(۷)

خم در خم طرهٔ طرار یار یکدله بین — بپای دل ز خمش صد هزار سلسله بین

از آن کمند خم اندر خمش نخواهد رست — دلم ز بیدلی این صبر و تاب و حوصله بین

نگر قیامت از سرو قد و قامت او — دو صد قیامت و آشوب و فتنه و ولوله بین

مکان خالی بدنبال چشم و ابروی یار — مکین چو نقطهٔ بائی بکد بسمله بین

بغمزه چشمش ز دو راه دل سپر و بزلف — شریک دزد و نظر کن رفیق قافله بین

اگر اثر نکند آه دل مپرس چرا — میان آه و اثر صد هزار فاصله بین

لب و دهان ترا سهمی هیچ ز دند — شکر شکن ز سخن مشکلی مسئله بین

اگر فروخته ام دین و دل بغمزهٔ یار — هزار سود ز سودای این معامله بین

بهراه بادیهٔ عشق آی و عارف را
ضعیف و خسته و رنجور و پا پر آبله بین

آقای محمد یوسف زاده خمام همدانی

(۱)

بیا فرید خداوند لم یزل ما را — که لایزال اطاعت کنیم دانا را

مباش در پی کشف رموز دانا یا — که هیچ حل نتوان کردن این معما را

ز فهم گفتهٔ همچون خودی شوی عاجز — چگونه فهم کنی گفته های دانا را

تو آن نه که شناسی فضیلت انسان — کسی چگونه تواند شناخت عنقا را

بکار اهل نظر کار خود قیاس مکن — که فرق هاست بهم مرده و مسیحا را

چسان ز ستر نهان آگهند رندانی — که خوب و بد نشناسند کار پیدا را
اگرچه باد درخت کهن کند از بیخ — ز جای خود نکند کوه پای برجا را
کسی که دیدهٔ پری را ندیده کی داند — که حال چیست دل دردمند شیدا را
نه غصهٔ شکری خورده و نه حسرت قند — چه غم ز حال مگس طوطی شکرخا را
غریق بحر بلا را چه سود خواهد بود — از این که دُرّ و گهر هست قعر دریا را

غلام همت فراوان خود نمی بینی
مگر بدیده کشی خاکپای بیضا را

(۲)

برکن ز سینه ریشهٔ فکر تباه را — با دست خود ز پای مکش خار راه را
با مردم بزرگ مزن لاف همسری — با کوه همسری نسزد برگ کاه را
شرط است علم و عزم و عمل وانگهی ثبات — تا کج کنی بتارک سروری کلاه را
خود را بزرگ دیدی و پامال غم شدی — بگشای چشم و رفع کن این اشتباه را
تقصیر خود ببین چو فتادی که در جهان — بر دار کس نزد سر بی گناه را
تا بیشوائی آتش دلها خمش کن — مگذار بر فلک برود دود آه را
پیوسته خیرخواه غنی و فقیر باش — سیراب کن چو آب درخت و گیاه را
بالت فزون و جاه فزون تر شود اگر — صرف شکستگان بکنی مال و جاه را
این جاه و سروری و لوا امانت خدای — داد او است تا پناه شوی بی پناه را
دیدی نمی کشد که گدا سے کند بشهر — گر غصهٔ گدا نبود پادشاه را
بهر چراغ کلبهٔ درویش برفروخت — دست قضا بطاق فلک جرم ماه را

جز نخوت و غدا به نه بینی بعمر خویش
گر نشنوی بجان سخن خیر خواه را

واندوه نام محنت عالم که در جهان
دیده است تیره بختی و روز سیاه را

(۳)

امروز درین خاک غم انگیز کسی نیست
که خوی بدش در دل و جان غصه رسی نیست

بر دیده نگه‌ها همه از شدت افغان
در واکه درین مرحله فریاد رسی نیست

گر قافله‌ای رفته از این جا چه علت
در ره اثر پای و بانگ جرسی نیست

ناصح که دو صد حرف زند از پی پندم
یکبار نه بیند که درین خانه کسی نیست

... زند اهل طمع لاف تا قلبی را
کو رند که در وادی امن و قفسی نیست

بکشود دلت را بجنون از دم واعظ
دیدی که درین طایفه صاحب نفسی نیست

والی سخن عشق چرا در تو نگیرد
زیرا که ترا غیر هوا ملتمسی نیست

گر گوید نباشی ز تکبر چه علت
در چشم تو سیمرغ بقدر مگسی نیست

دستی که ترا دیده گشاید به بینی
غیر از تو درین گلشن بیخار و خسی نیست

باشد غمت نظری نیست دگر نه
از پیش تو تا گلشن مقصود بسی نیست

(۴)

در راه طلب پای تو بی سنگی نیست
که بر آن سنگ ز خون دل من رنگی نیست

هر گامی که ... عشق شکستن دارد
حیف کاندر خور این کار رگ سنگی نیست

گر گشاده است جهان در نظر خلق چه سود
زین فراخی که نه گنجش دل تنگی نیست

نیکنامان همگی بستهٔ نام‌اند هنوز	می‌ندانند که آزاد شدن ننگی نیست
راه عشاق زن ای مطرب از آن سان که زدی	کز نوای تو دگر خوب‌تر آهنگی نیست
از چه رخسارهٔ جانان نتوانی دیدن	گر بر آئینهٔ جان از غم دل زنگی نیست
نتوان گفت که چند از ره او طی کردم	زانکه در راه طلب میل و فرسنگی نیست
گر گدای تو شدم شاه جهانم ورنه	در دل من هوس تاج و اورنگی نیست

خشم او پیشرو خیل رضا بود غمام
زانکه شیرین نشود صلح اگر جنگی نیست

(۵)

بیا که روی زمین جای زندگانی نیست	برآ بعالم علوی که پست و فانی نیست
بزیر چرخ مجو کام دل بنادانی	که روی خاک سیه جای کامرانی نیست
سفید گردد و زرد و سیاه آخر کار	همیشه روی تو گلزار ارغوانی نیست
بهرزه صرف مکن نقد عمر خود زنهار	بصرفه خرج کن این نقد را که ثانی نیست
بعیش بیهده ضایع مکن جوانی را	که عیش بیهده هرگز به از جوانی نیست
نخواستی که بعیب خود افکنی نظری	وگرنه زشتی خوی بدان نهانی نیست
ز علم و جهل بود خوی نیک و بد هشدار	که فهم این سخن از کاربهای آنی نیست
بعلم زنده جاوید می‌توانی شد	بدان که هیچ به از عیش جاودانی نیست
مراد ز آب بقا فیض صحبت داناست	وگرنه در ظلمات آب زندگانی نیست
بکوش تا بدیار معانیت کشند	وگرنه لذتی از صورت معانی نیست

مباش بی‌خبر و نکته سنج هیچ غمام

که در مقام نظر جائے نکته دانی نیست

(۶)

ساقی بیار باده که بوئے خوش بهشت
می آیدم ز سایهٔ بید و کنار کشت

از سرو و گل بگوئے که دهقان روزگار
دلکش تر از نهال قدت جهان نکشت

شاید اگر فرشته رحمت سجود انست
کز پرتو جمال تو در رخ شود بهشت

از دیگران گسیخته شد تار الفتم
تا روزگار رشتهٔ پیوند دوست رشت

روئے نکو چو خوئے نکو داشت دل برد
بے حاصل است صورت زیبا و خوئے زشت

در ملک ما دل مقام گزین شو که هیچ نیست
جاوید خانهٔ که ز گل می کنند و خشت

در کار نیک کوش که نیکی بهی سرا
اکنون که اطلاع نداری ز سر نوشت

در این جهان بغیر غم و بیچارگی نبود
خرم کسے که پائے درین خاکدان نهشت

رو پیش با سبوئے شبانه و دل غافل از خدا
زنهار ازین نماز که مسجد کند کنشت

از همچی صلاح توقع مکن غلام
خوبی چگونه سر زند از طبع بد سرشت

(۷)

دلم را برده شوخ دلربائے
پری رخسارهٔ بالا بلائے

جفایش از وفائے دیگران به
جفا کاری به از هر باوفائے

فلک را نیست جز رویش ضیائے
سرم را نیست جز وصلش هوائے

گر او باشد طبیب درد مندان
نخواهد هیچ بیمارے شفائے

شود چشم جهاں روشن گر آرد
صبا از رهگذارش خاک پائے

بجز در چین زلف آن دلآرام — دلم را نیست ماوای و جای

درین دریای بے پایان نباشد — بجز او کشتیم را ناخدای

زر خالص شود قلب جهانے — گر از وصلش بیابد کیمیای

نیابی جز هوایش دستگیرے — نه بینی جز جمالش رهنمای

ببینش با همه آنکس که گفتی — نگردد پادشه بار گدای

کسے نشناسدش جز من بعالم

نباشد جز خدایش آشنای

میرزا سید محمود جواهری فرخ خراسانی

(۱)

هر که از زنجیر زلف دلبرے دیوانه نیست — در بر ما سلسله بالله که او فرزانه نیست

خانه خود در خور سکناے جز دلدار نیست — نیز بهر دلدار را در خور تر از دل خانه نیست

جز به دلهاے خراب ما بجو دلدار را — زانکه گنج شایگان را جاے جز ویرانه نیست

عاشقے آشفته چون من در همه میخانه‌ئے — شاهد گل چهر چون او در همه فرخانه نیست

کار ما در گیتی ار افسانه شد نبود شگفت — کار عشق است این و کار عاشقی افسانه نیست

بس شنیدستی سخن در وصف باغ و بوستان

بشنو از فرخ که جاے خوشتر از میخانه نیست

(۲)

چه بهاری ست که یک لاله گلزاری نیست | خرم از سبزهٔ نوخواسته کهساری نیست
آهو و کبک خرامنده به دشتی نبود | بلبل و قمری خوانندهٔ گلزاری نیست
نشنوی نغمه‌ای از نغمه‌سرایان چمن | بانگی ار هست جز از مرغ گرفتاری نیست
عاشقی بیدل و آشفته نه بینی در شهر | در خور عشق چو نیکونگری یاری نیست
عاشق ار هست بجز رند نظربازی نیست | دلبر ار هست بجز ترک ستمگاری نیست

داد جهان فرخ و نامدش طبیبی بر سر
خوشدل از غم دل غم‌دیده و غمخواری نیست

(۳)

کار بزرگ و رتبهٔ عالی گرت هواست | با فکر پست و همت دون این هوا خطاست
فکر بزرگ و همت عالی بباید پیش | آن کو در آرزوی بزرگی و اعتلاست
بسیار دیده‌ایم و شنیده که تا کسی | بر بود رتبه‌ای که نه آن رتبه را سزاست
پستی گرفت رتبهٔ عالی از او ولیک | نفزود رتبه هیچ بر او بلکه نیز کاست
از خطر پست کند عامل حقیر | وآن کار پر بها شود ار مرد راد خاست
در هر زمانه مسند ایران شهنشهی است | این پستی و بلندی او وارش از چه خاست
چون مرد پست یافت بر این پایگاه دست | هم شد مقام پست و هم او کاین مقام خواست
وین دستگه بزرگ اعلا نهاد پای | چون این مقام گشت بمرد بزرگ راست
هست این مقال روشن و خواهی اگر گواه | سلطان حسین نادر روشن‌ترین گواست
باش آنچنان که جای بر اورنگ اگر کنی | گوید جهان بجای تو کاین جا ترا سزاست

نہ آنچنانکہ گر گذری شوی کساں — گویند ناکس است نہ این پایہ ارش رواست

بسیار بودہ اند شہاں گدائے طبع — درویش نیز ہست کہ بالطبع پادشاست

کار بزرگ ہیچ بزرگی نہ بخشدت ،

خود را بزرگ کن چو بزرگیت مدعاست

(۴)

زاہداں خواہند اسیر دامِ تذویرم کنند — من نہ آں صیدم کہ با این دام نخچیرم کنند

روح من پائے است ہا این بے حقیقت زاہدی — از حقیقت قوۂ باید کہ تدبیرم کنند

حرف منفی پیش من جز حرف منفی بیش نیست — فاش گویم ہرچہ میخواہند تکفیرم کنند

با فقیہاں دارم آہنگ جدل تہ سہم از آنکہ — چوں کہ در منطق فرو مانند تحذیرم کنند

ہیچ نہ ہم گوش ہرگز بر فسون واعظاں — چوں نہیم احمق کہ تا این قوم تسخیرم کنند

ناصحان غیر مشفق زاں کنندم سوئے شیخ ، — تا بدین تقریب دور از حضرت پیرم کنند

آمیختہ از عشقتم و فارغ ز کفر و دین ولے — کافر و مسلم بمیل خویش تفسیرم کنند

در بہائے ساغرے بخشم متاع کفر و دیں — گرچہ یاراں منع زاں اسراف تبذیرم کنند

شور ہا دارم بسر فرخ کہ گر عنواں کنم

ابلہاں دیوانہ ام خوانند و زنجیرم کنند

(۵)

با روئے تو با لالۂ حمرا چہ کند دل — بے روئے تو گلزار ارم را چکند دل

مقصود دل از ہستی ما ہستی تو ورنہ — بے تو ہمہ نعمت دنیا چکند دل

گیرم کہ بجز وردہ نہد دل غم ایام — با این غم جاں سوز تو جانا چکند دل

بستند بهجرت دل و جان عهد صبوری — جان صبر نیارست کند تا چکند دل
وے آنکه دهی پند بصبر و بمدارا — زین بیش دگر صبر و مدارا چکند دل
دل سخت فرو مانده بکار غم دلدار
آخر تو بگو فرخ شیدا چکند دل

(۶)

همه شب ز روے حسرت بر خست و دریدن — نبود رنج کمتر ز مفارقت کشیدن
نشدن بسوے بستان ندیدن رخ گل — به از آنکه زوی ای گل آرزو بچیدن
چه ملاحت و دلربائی چه تبهر و بد ادائی — سخنیست آرزویم ز دهان تو شنیدن
تو که ذوق بنده داری نشناسی و نداری — ز چه این گران بها بنده بهایت خریدن
با ادب خمش نشستن بودت پنده دائم — چه کنم که در حضورت نتوانم آرمیدن
بودم گمان که داری نظرے نهان سوے من — که ترا ز جمع بر من دگر است طرز دیدن
بود آن که با تو فرخ بمراد دل نشیند،
نه که با کجا و امید با رزو رسیدن

(۷)

اے زلف او که بوے چون نافه ختنی — کوته چو شام وصال تیره چه روز منی
اے چشم دلبر من وے فتنه ساز زمن — تو نرگس چمنی یا آهوے ختنی؟
اے ترک من نکنی ترک وفائے عهد — گر زانکه قتل مرا با خویش عهد کنی
لیکن اگر دهی پیمان وصل به من — صد بار چون دل من در هر دمش شکنی
فرسوده جسم مرا هجر رخ تو چنانک — لولا مخاطبتی ایاک لم ترنی

در دلربائی و حسن معروف و منتخبی | در بیوفائی و جور مشهور و منتهی
تو چون گلی و تو را من مرغ نغمه سرا | آری گلی چو تو را بلبل سزد چو منی

دیوانگان غمش گر انجمنی کنند
هان فرخا بنشین تو میر انجمنی

میرزا محمد فرخی یزدی

(۱)

در چمن تا قد سرو تو برافراخته است | روز و شب نوحه گری کار من و فاخته است
برو با کهنه حریفی است که در بازی عشق | هرچه را داشته چون من همه را باخته است
بگمان غلط آن ترک کمانکش چون تیر | روزگاری است مرا از نظر انداخته است
جان من زاه دل سوخته پرهیز نما | که بدین سوختگی کار مرا ساخته است
راستی چشم تو با ابروی کج عربده داشت؟ | تا پی کشتن من تیغ ستم آخته است
چنگ بر طره پرچین تو زد آنکه چو باد | تاختن از پی این مشک ختا تاخته است

فرخی دل خوش از آن است که این مردم را
یک بیک دیده و سنجیده و بشناخته است

(۲)

گرچه مجنونم و صحرای جنون جای من است

لیک دیوانہ تر از من دل شیدائے من است

آخر از راہ دل و دیدہ سر آرد بہ دل
نیش آں خار کہ از دست تو در پائے من است

رخت بربست ز دل شادی و ہنگام وداع
با غمت گفت کہ یا جائے تو یا جائے من است

جامہ را کہ بچوں رنگ نمودم امروز
بر جبہ کاری تو شاہد فردائے من است

چیزہائے کہ نیابیست بہ بیند بس دید
بخدا قاتل من دیدہ بینائے من است

سر تسلیم بچرخ آنکہ نیاورد فرود
با ہمہ جور و ستم ہمت والائے من است

دل تماشائی تو دیدہ تماشائی دل
من بفکر دل رخ لطفتے بہ تماشائے من است

آنکہ در راہ طلب خستہ نگردد ہرگز
پائے بر آبلہ بادیہ پیمائے من است

(۴۲)

ہرگز دلم برائے کم و بیش غم نداشت
آرے خدا نشست قلم کہ غم بیش و کم نداشت

در دفتر زمانہ فتد نامش از قلم
ہر ملتے کہ مردم صاحب قلم نداشت

در پیش نگاہ اہل خرد نیست محترم
ہر کس کہ فکر جامعہ را محترم نداشت

با آنکه جیب و جام من از مال و مے تهی است
ما را فراغتی است که جمشید جم نداشت

انصاف و عدل داشت موافق بسے ولے
چوں فرخی موافق ثابت قدم نداشت

(۴)

چمن از لاله چو بنهاد بسر افسر سرخ
پاے گل زن ز کف سبز خطاں ساغر سرخ

اشک چوں سیم سپیدم شد از آں خوں که ز غم
زر و روئی کشد آں کس که ندارد زر سرخ

گرچه من قاتل دل را نشناسم اما
دیده ام در کف آں چشم سیه خنجر سرخ

کے ببام تو پری باز کند بال و پرے
هر کبوتر که ز سنگ تو ندارد پر سرخ

پرسش خانهٔ ما را مکن از کس که ز اشک
خانهٔ ماست همان خانه که دارد در سرخ

خون دل خورده ام از دست لبت از پس مرگ
سر زند سبزه سر از تربت من با سر سرخ

شب ما روز نگردد ز سحر باختری
تا چه خورشید بخاور زند از نیم اختر سرخ

تا نخست از مژگان تو بر ماند دل از چشم سیاه
چوں سپه شرق بفرمان قضا لشکر سرخ

فرخی روے سپید آں که بر چرخ کبود
با رخ زرد ز سیلی بودش زیور سرخ

(۵)

شب چو در بستم و مست از مے نابش کردم
ماه اگر حلقه بدر کوفت جوابش کردم

دیدی آں ترک ختا دشمن جاں بود مرا
گرچه عمرے بخطا دوست خطابش کردم

منزل مردم بیگانه چه شد خانهٔ چشم
آں قدر گریه نمودم که خرابش کردم

غرق خوں بود و نمی مرد ز حسرت فرهاد
خواندم افسانهٔ شیرین و بخوابش کردم

شرح حال دل پروانه چو گفتم با شمع — آتشی در دلش افگنده و آبش کردم

دل که خونابهٔ غم بود و جگرگوشهٔ درد — بر سر آتش جور تو کبابش کردم

زندگی کردن من مردن تدریجی بود

آنچه جان کند تنم عمر حسابش کردم

(۶)

گر خدا خواهد بجوشد بحر بی پایان خون — میشوند این ناخدایان غرق در طوفان خون

باسرافرازی نهم پا در طریق انقلاب — انقلابی چون شوم دست من و دامان خون

خیل دیوان را بدین ویرانخانه دعوت میکنیم — میگذاریم نام دیوانخانه را دیوان خون

کارگر را بهر دفع کارفرمایان چه عیب — با سر شمشیر خونین می‌دهم فرمان خون

کلبهٔ بی سقف دهقان را اگر آرم بنظر — کاخهای سر بکیوان را کنم ایوان خون

فرخی را شیر انقلابی خوانده اند

زانکه خورد از شیرخواری شیر از پستان خون